ذوالقعدۃ الحرام/ ذوالحجۃ الحرام 1445ھ جون 2024ء

ماھنامہ خواتین

جلد:03
شمارہ:06

ویب ایڈیشن

نیک رشتہ ملنے کے لئے

جن لڑکیوں کی شادی نہ ہوتی ہو یا منگنی ہو کر ٹوٹ جاتی ہو وہ
نمازِ فجر کے بعد

یَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَام

312 بار پڑھ کر اپنے لئے نیک رشتہ ملنے کی دعا کریں،
اِنْ شَآءَ اللہ جلد شادی ہو اور خاوَند بھی نیک ملے۔
(نوٹ: وظیفہ کے اوّل آخر تین تین بار دُرُود شریف پڑھنا ہے)

شیطانی وَسوسوں سے بچنے کا عمل

یَا مُقْسِطُ

شیطانی وسوسوں سے بچنے کے لئے
100 بار پڑھنا بہت مفید ہے۔
(نوٹ: وظیفہ کے اوّل آخر تین تین بار دُرُود شریف پڑھنا ہے)

کان کے درد سے نجات

یَا سَمِیْعُ

21 بار (اوّل آخر تین مرتبہ دُرُود شریف) پڑھ کر مریض کے
دونوں کانوں میں پھونک مار دیجئے۔ اِن شَآءَ اللہ کان کے درد
سے چھٹکارا ملے گا۔ (مُدتِ علاج: تا حصولِ شفا)

دل روشن کرنے کے لئے

یَا فَتَّاحُ

7 بار جو روزانہ (کسی بھی وقت دن میں ایک مرتبہ) پڑھا کرے گا
اِنْ شَآءَ اللہ اُس کا دل روشن ہو گا۔
(نوٹ: وظیفہ کے اوّل آخر تین تین بار دُرُود شریف پڑھنا ہے)

فہرست

حمد ونعت	مناجات ونعت	2
پیغامِ بنتِ عطار	63نیک اعمال (نیک عمل نمبر 21)	3
تفسیر قرآنِ کریم	امانت کی ذمہ داری	5
شرحِ حدیث	جادو اور اس کی اقسام (قسط3)	8
ایمانیات	حشر کے دن سایۂ عرش پانے والے (قسط24)	11
فیضانِ سیرتِ نبوی	حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بہادری	13
معجزاتِ انبیا	حضرت یونس علیہ السلام کے معجزات و عجائبات (قسط1)	16
فیضانِ اعلیٰ حضرت	شرح سلام رضا	19
فیضانِ امیرِ اہلِ سنت	مدنی مذاکرہ	21
اسلام اور عورت	بیٹیوں کو دین سکھائیں	23
شرعی رہنمائی	اسلامی بہنوں کے شرعی مسائل	25
ازواجِ انبیا	حبیبۂ حبیبِ خدا سیدہ عائشہ صدیقہ (قسط1)	26
حصولِ علمِ دین کی رکاوٹیں	اجمالی جائزہ	29
بزرگ خواتین کے سبق آموز واقعات	موجودہ فوڈ کلچر	31
رسم و رواج	میرج ہالز اور شادی کارڈز	32
اخلاقیات	خوش کلامی	34
اخلاقیات	تلخ کلامی	36
نئی لکھاری	تحریری مقابلہ	38
مدنی خبریں	شعبہ دعوتِ اسلامی کے شب و روز	40

چیف ایڈیٹر: مولانا ابو الابصار قادری عطاری

سینئر معاون: مولانا ابو زین العابدین عطاری مدنی

ڈیزائنر: ابو ازلان عطاری

شرعی تفتیش: مولانا مفتی محمد انس رضا عطاری مدنی دار الافتاء اہلِ سنت (دعوتِ اسلامی)

اپنے تاثرات (Feedback)، مشورے اور تجاویز نیچے دیئے گئے ای میل ایڈریس اور (صرف تحریراً) واٹس ایپ نمبر پر بھیجئے:

mahnamahkhawateen@dawateislami.net

پیش کش: شعبہ ماہنامہ خواتین اسلامک ریسرچ سینٹر (المدینۃ العلمیۃ) دعوتِ اسلامی

مناجات

میں مکے میں پھر آگیا یاالٰہی

میں مکے میں پھر آگیا یاالٰہی
کرم کا ترے شکریہ یاالٰہی

رہے ذِکر آٹھوں پَہر میرے لب پر
ترا یاالٰہی ترا یاالٰہی

عطا کردے اِخلاص کی مجھ کو نعمت
نہ نزدیک آئے رِیا یاالٰہی

مجھے اولیا کی مَحبّت عطا کر
تُو دیوانہ کر غوث کا یاالٰہی

میں یادِ نبی میں رہوں گم ہمیشہ
مجھے اُن کے غم میں گُھلا یاالٰہی

دے عطّاریوں بلکہ سب سُنّیوں کو
مدینے کا غم یاخدا یاالٰہی

تو عطّاؔر کو سبز گنبد کے سائے
میں کر دے شہادت عطا یاالٰہی

از: امیرِ اہلِ سنّت دامت برکاتہم العالیہ

وسائلِ بخشش (مرمّم)، ص106

نعت

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی
سب سے بالا و والا ہمارا نبی

اپنے مولیٰ کا پیارا ہمارا نبی
دونوں عالَم کا دُولہا ہمارا نبی

بُجھ گئیں جس کے آگے سبھی مشعلیں
شمع وہ لے کر آیا ہمارا نبی

جس کی دو بوند ہیں کوثر و سلسبیل
ہے وہ رحمت کا دریا ہمارا نبی

کون دیتا ہے دینے کو منہ چاہیے
دینے والا ہے سچّا ہمارا نبی

لَا مکاں تک اُجالا ہے جس کا وہ ہے
ہر مکاں کا اُجالا ہمارا نبی

غمزدوں کو رضاؔ مژدہ دیجے کہ ہے
بیکسوں کا سہارا ہمارا نبی

از: امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ

حدائقِ بخشش، ص138

63 نیک اعمال

نیک عمل نمبر 21

عورت کے لغوی معنی ہیں: چھپانے کی چیز جیسا کہ ایک روایت میں بھی ہے کہ عورت عورت (یعنی چھپانے کی چیز) ہے۔ جب وہ نکلتی ہے تو شیطان اسے جھانک کر دیکھتا ہے۔[1] یعنی اسے دیکھنا شیطانی کام ہے۔[2] بلاشبہ بے پردگی سخت گناہ ہے، عورت گھر میں ہو یا گھر سے باہر جائے ہر حال میں اس پر پردہ لازم ہے، چنانچہ امیرِ اہلِ سنت دامت برکاتہم العالیہ نے آج کے اس پُرفتن دور میں خواتین کو پردے کا عادی بنانے کے لئے نیک اعمال کے رسالے میں یہ سوال عطا فرمایا ہے:

سوال نمبر 21: آج آپ نے کہیں نامحرم رشتے داروں، نامحرم پڑوسیوں نیز دیور یا جیٹھ سے معاذ اللہ بے تکلف ہو کر گفتگو کرنے کا ممنوع کام تو نہیں کیا؟ کیا ان کے سامنے آنے سے کترائیں اور ان سے شرعی پردہ کیا؟ (سسر سے بھی احتیاط رہے تو اچھا ہے)

اگر ہم اس پر عمل کریں گی تو ہمیں اس کے بہت فائدے حاصل ہوں گے۔ یاد رہے! پردے کا حکم خود ہمارے رب نے دیا ہے: وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰى (پ22، الاحزاب:33) ترجمہ: اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور بے پردہ نہ رہو جیسے پہلی جاہلیت کی بے پردگی۔ (یہاں) اگلی جاہلیت سے مراد قبلِ اسلام کا زمانہ ہے اس زمانہ میں عورتیں اتراتی نکلتی تھیں، اپنے بناؤ سنگھار کا اظہار کرتی تھیں تاکہ غیر مرد دیکھیں، لباس ایسے پہنتی تھیں جن سے جسم کے اعضا اچھی طرح نہ ڈھکیں۔[3]

افسوس! موجودہ دور میں بھی زمانۂ جاہلیت والی بے پردگی پائی جارہی ہے۔ حالانکہ عورت کی بے پردگی غضبِ الٰہی اور تباہی کا سبب ہے۔ ہمیں چاہیے کہ جب بھی شرعی اجازت کی صورت میں گھر سے نکلیں تو سادے کپڑے کا ڈھیلا ڈھالا برقع اوڑھ کر ہاتھوں میں دستانے اور پاؤں میں موزے پہنیں، مگر موزوں اور دستانوں کا کپڑا اتنا باریک نہ ہو کہ کھال کی رنگت جھلکے۔ جہاں کہیں غیر مردوں کی نظر پڑنے کا امکان ہو وہاں چہرے سے نقاب نہیں اٹھانا چاہیے۔ عورت کے سر سے لے کر پاؤں کے گٹوں کے نیچے تک جسم کا کوئی حصہ بھی مثلاً سر کے بال یا بازو یا کلائی یا گلا یا پیٹ یا پنڈلی وغیرہ اجنبی مرد پر بلا اجازتِ شرعی ظاہر نہ ہو، بلکہ اگر ایسا باریک لباس ہے جس سے بدن کی رنگت چھلکے یا ایسا ٹائٹ ہے کہ کسی عضو کی بناوٹ ظاہر ہو یا دوپٹا اتنا باریک ہو کہ بالوں کی سیاہی چمکے یہ بھی بے پردگی ہے۔ الغرض اپنے آپ کو ہر صورت میں بے پردگی سے بچانا ضروری ہے۔

عورت کا کس کس سے پردہ ہے؟ عورت کا ہر اجنبی مرد سے پردہ ہے جو اس کا مَحرم نہ ہو۔ مَحرم سے مراد وہ مرد ہے جس سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہو۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عورت موم کی ناک بلکہ رال کی پُڑیا بلکہ بارود کی ڈبیا ہے آگ کے ایک ادنیٰ سے لگاؤ میں بھک سے ہو جانے والی ہے عقل بھی ناقص اور طِیْنَت (یعنی بنیاد) میں کجی (ٹیڑھا پن) اور شہوت میں مرد سے سو حصہ بیشی (زائد)۔[4] اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں: جیٹھ، دیور، بہنوئی، پھپا، خالو، چچازاد، ماموں زاد، پھپی زاد، خالہ زاد بھائی یہ سب لوگ عورت کے لئے مَحض اجنبی (یعنی غیر مرد) ہیں بلکہ ان کا ضرر (نقصان)

نرے (یعنی مطلقاً) بیگانے (یعنی پَرائے) شخص کے ضرر سے زائد ہے کہ محض غیر (یعنی بالکل ناواقف) آدمی گھر میں آتے ہوئے ڈرے گا اور یہ (یعنی بیان کردہ رشتے دار) آپس کے میل جول (اور جان پہچان) کے باعث خوف نہیں رکھتے۔ عورت نرے اجنبی (یعنی مطلقاً ناواقف) شخص سے دَفْعَةً (فوراً) میل نہیں کھا سکتی (یعنی بے تکلف نہیں ہو سکتی) اور اُن (یعنی مذکورہ رشتہ داروں) سے لحاظ ٹوٹا ہوتا ہے (یعنی جھجک اُڑی ہوئی ہوتی ہے) ولہٰذا جب رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے غیر عورتوں کے پاس جانے کو منع فرمایا (تو) ایک صحابی انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسولَ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم جیٹھ دیور کے لئے کیا حکم ہے؟ فرمایا: جیٹھ دیور تو موت ہیں۔[5] [6]

مفتی وقارُ الدّین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان رشتہ داروں سے جو نامحرم ہیں چہرہ، ہتھیلی گٹے، قدم اور ٹخنوں کے علاوہ سَتر (پردہ) کرنا ضروری ہے، زینت بناؤ سنگھار بھی ان کے سامنے ظاہر نہ کیا جائے۔[7] اگر ایک گھر میں رہتے ہوئے عورت کے لئے قریبی نامَحرم رشتہ داروں سے پردہ دشوار ہو تو چہرہ کھولنے کی تو اجازت ہے مگر کپڑے ہرگز ایسے باریک نہ ہوں جن سے بدن یا سر کے بال وغیرہ چمکیں یا ایسے چست نہ ہوں کہ بدن کے اعضاء جسم کی ہیئت (یعنی صورت و گولائی) اور سینے کا اُبھار وغیرہ ظاہر ہو۔[8]

امیرِ اہلِ سنت دامت برکاتہم العالیہ سے سوال ہوا کہ عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو کیا وہ اپنے دیور، جیٹھ یا چچازاد، ماموں زاد بھائی اور جو نامحرم رشتے دار ہیں ان سے بات کر سکتی ہے؟ ارشاد فرمایا: جن جن کا نام لیا گیا ہے شریعت نے عدت کے علاوہ بھی ان سے پردہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ البتہ ضرورتاً نامحرم سے بات کرنے کی اجازت ہے مثلاً دیور مفتی ہے تو اس سے عدت سے متعلق مسئلہ پوچھ سکتی ہے۔ بشرطیکہ سوال کرنے کا لہجہ لچک دار نہ ہو ورنہ مسائل ہوں گے۔[9]

شادی شدہ خواتین کو دیور و جیٹھ کے معاملے میں احتیاط کرنی چاہیے۔ کیونکہ یہ شریعت کا حکم ہے۔ دیور کا بھابھی کے سامنے ہونا گویا موت کے سامنے ہونا ہے کہ یہاں فتنے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ اگر کسی نے دیور و جیٹھ سے بے تکلفی سے ہنس ہنس کر گفتگو کی ہے تو اسے اس گناہ سے توبہ کر لینی چاہئے۔

کیونکہ شیطان ہمارا اور ہمارے ایمان کا کھلا دشمن ہے، اس لیے ہمیں اس گناہ سے بچنے کی کوشش کرتے ہوئے شیطان سے اپنا ایمان بچانا ہے۔ ہمارے سامنے سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کی قابلِ تقلید مثال موجود ہے کہ جنہیں اپنے کفن پر غیر مرد کی نظر پڑنا بھی پسند نہ تھا۔ بلکہ ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے دن یہ اعلان ہو گا: اے محشر والو! اپنی نگاہیں جھکا لو کہ فاطمہ بنتِ محمد (پُل صراط سے) گزریں گی۔[10] ہمیں بھی خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کی سیرتِ مبارکہ پر عمل کرتے ہوئے شرعی پردے کو اپنے اوپر لازم کرنا چاہیے اور 63 نیک اعمال کے رسالے کے اس سوال پر عمل کر کے اپنے رب کو راضی کرنے اور اپنی دنیا و آخرت بہتر بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

نیک اعمال کے رسالے پر عمل کر کے ان شاءَ اللہ ہم اپنی منزل یعنی جنت کو پانے میں کامیاب ہو جائیں گی۔ یہ رسالہ مکتبۃُ المدینہ کی کسی بھی برانچ سے بآسانی مل جاتا ہے، اسے خرید فرما کر روزانہ وقتِ مقررہ پر جائزہ کیجئے یعنی جن اعمال پر عمل کرنے کی سعادت ملی نیچے خانے میں (✓) کا نشان ورنہ (0) بنادیجئے اور اپنی ذمہ دار کو جمع کروادیجئے۔ یہ رسالہ بذریعہ اینڈرائیڈ ایپ پلے اسٹور سے ڈاؤن لوڈ کیجئے اور Fill کر کے ہر اسلامی ماہ کی پہلی تاریخ تک اپنے یہاں کی ذمہ دار کو جمع کروانے کا معمول بنا لیجئے ان شاءَ اللہ دنیا و آخرت کی ڈھیروں بھلائیاں ہاتھ آئیں گی۔

---

(1) ترمذی، 2/392، حدیث: 1176 (2) بہارِ شریعت، 5/439، حصہ: 16 (3) تفسیر خزائن العرفان، ص 780 (4) فتاویٰ رضویہ، 22/212 (5) بخاری، 3/472، حدیث: 5232 (6) فتاویٰ رضویہ، 22/217 (7) وقار الفتاویٰ، 3/151 (8) پردے کے بارے میں سوال جواب، ص 52 (9) جنات کو بُرا بھلا کہنا کیسا؟ ص 21 (10) جامع صغیر، ص 57، حدیث: 822

امانت کی ذمہ داری

اُمِّ حبیبہ عطاریہ مدنیہ
معلمہ جامعۃ المدینہ گرلز فیضانِ اُمِّ عطار گلبہار سیالکوٹ

اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے: اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ (پ22، الاحزاب:72) ترجمہ: بیشک ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر امانت پیش فرمائی تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس امانت کو اٹھالیا بیشک وہ زیادتی کرنے والا، بڑا نادان ہے۔

تفسیر اس آیتِ مبارکہ میں امانت سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں۔ چنانچہ تفسیر خازن میں ہے: ☆امانت سے مراد طاعت و فرائض ہیں جنہیں اللہ پاک نے اپنے بندوں پر پیش کیا، انہی کو آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کیا تھا کہ اگر وہ انہیں ادا کریں گے تو اللہ پاک انہیں ثواب سے نوازے گا اور ضائع کریں گے تو عذاب میں مبتلا کرے گا۔ ☆حضرت عبدُ اللہ بن مسعود فرماتے ہیں: امانت سے مراد نمازیں ادا کرنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا، بیتُ اللہ کا حج کرنا، سچ بولنا، قرض ادا کرنا اور ناپ تول میں انصاف کرنا ہے۔ ☆ایک قول کے مطابق وہ تمام احکام مراد ہیں جن کو کرنے یا نہ کرنے کا کہا گیا ہے۔ ☆ایک قول کے مطابق شرم گاہ، کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں مراد ہیں۔ ☆ایک قول کے مطابق لوگوں کی امانتوں اور عہدوں کو پورا کرنا مراد ہے۔ اللہ پاک نے یہ امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش فرمائی، پھر ان سے فرمایا: کیا تم اس اَمانت کو اس کی ذمہ داری کے ساتھ اٹھاؤ گے؟ انہوں نے عرض کی: ذمہ داری کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: ذمہ داری یہ ہے کہ اگر تم انہیں اچھی طرح ادا کرو تو تمہیں جزا دی جائے گی اور اگر نافرمانی کرو تو تمہیں عذاب کیا جائے گا۔ انہوں نے عرض کی: اے ہمارے رب! ہمیں ثواب چاہئے نہ عذاب، ہم تو بس تیرے حکم کے اطاعت گزار ہیں۔ ان کا یہ عرض کرنا خوف کے طور پر تھا اور امانت اختیار کے طور پر پیش کی گئی تھی یعنی انہیں اختیار دیا گیا تھا کہ اپنے وجود میں قوت و ہمت پائیں تو اٹھائیں ورنہ معذرت کر لیں، اس امانت کو اٹھانا لازم نہ تھا، اگر لازم کیا جاتا تو وہ اسے اٹھانے سے انکار نہ کرتے۔ پھر اللہ پاک نے وہ امانت حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کی اور ارشاد فرمایا: میں نے آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر یہ امانت پیش کی تھی مگر وہ اسے نہ اٹھا سکے، کیا تم اس کی ذمہ داری کے ساتھ اسے اٹھا سکو گے؟ انہوں نے اقرار کیا اور اس امانت کو اٹھا لیا۔[1]

☆ایک قول کے مطابق امانت سے مراد اللہ پاک کا نور ہے۔[2] مفتی احمد یار خان فرماتے ہیں: امانت سے یا تمام احکامِ شرعیہ، عبادات و معاملات وغیرہ مراد ہیں یا اس سے مراد عشقِ الٰہی کی آگ ہے، اطاعت ساری مخلوق کرتی ہے مگر عشقِ الٰہی صرف انسان کے سینے میں ودیعت کیا گیا ہے۔ خیال رہے کہ اگرچہ ساری مخلوق خدا کی فرمانبردار اور خدا کا ذکر کرنے والی ہے مگر یہ اطاعت ان کے لیے شرعی حکم نہیں جس کے کرنے پر ثواب اور نہ کرنے پر عذاب ہو۔ لہٰذا ان کی عبادتیں شرعی نہیں، نہ امانت میں داخل ہیں۔ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا کی تفسیر میں فرماتے ہیں: یہ دونوں لفظ ناراضگی کے نہیں بلکہ محبت و پیار کے ہیں۔ کیونکہ اطاعت پر رحمت ہوتی ہے غضب نہیں ہوتا۔ گویا رب ان پر خوش ہو کر فرما رہا ہے کہ بڑا ظالم ہے بیوقوف ہے کہ جو بوجھ آسمان و زمین نہ اٹھا سکے یہ ضعیف الخلقت

اٹھانے کو تیار ہو گیا۔ ظاہر یہ ہے کہ امانت سے مراد خلافت نہیں کہ وہ تو حضرت آدم علیہ السلام کے لیے پہلے سے ہی نامزد تھی۔ بعض علمانے فرمایا کہ ظلوم وجہول ان انسانوں کو فرمایا گیا جو خیانت کر بیٹھے۔ جیسے کافر و منافق، اسی لیے اس سے اگلی آیت میں ان کا ذکر آرہا ہے، اس صورت میں یہ کلام عتاب کا ہے۔[3] تفسیر ابنِ کثیر میں ہے: حضرت عبدُ اللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: امانت سے مراد یہاں اطاعت ہے۔ اسے حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کرنے سے پہلے زمین و آسمان اور پہاڑوں پر پیش کیا گیا، لیکن وہ امانت کا بوجھ نہ اٹھا سکے اور اپنی مجبوری و معذوری کا اظہار کیا تو اللہ پاک نے اسے حضرت آدم پر پیش کیا تو آپ نے پوچھا: اس میں کیا ہے؟ فرمایا: اگر اطاعت کرو گے تو ثواب ملے گا اور بُرائی کروگے تو عقاب میں مبتلا کئے جاؤ گے۔ چنانچہ حضرت آدم نے اسے اٹھالیا۔ آپ نے عصر کے قریب (اور تفسیر قرطبی کے مطابق ظہر سے عصر کے درمیان[4]) یہ امانت اٹھائی اور مغرب سے پہلے ہی ان سے خطا ہوگئی۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: عورت کی پاک دامنی بھی اللہ پاک کی امانت ہے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دین، فرائض، حدود سب اللہ پاک کی امانت ہیں۔ حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تین چیزیں اللہ پاک کی امانت ہیں: (1) نماز (2) روزہ اور (3) غُسلِ جنابت۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ پاک نے امانت کو آسمان پر پیش فرمایا جس میں ترتیب وار سات راستے ستاروں سے مزین ہیں، نیز عرش اٹھانے والے فرشتوں پر پیش کیا مگر سب نے معذوری ظاہر کر دی، اسی طرح زمین نے اپنی مضبوطی کے باوجود عاجزی ظاہر کی، پہاڑ باوجود سختی وبلندی کے اپنی بے بسی ظاہر کرنے لگے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آسمان نے ستاروں اور فرشتوں کا بوجھ اٹھانے کے باوجود امانت اٹھانے سے بے بسی ظاہر کر دی کہ یہ تو فرائض کا بوجھ ہے۔ زمین نے کہا: تونے مجھ میں درخت بوئے، نہریں جاری کیں، لوگوں کو بسایا، لیکن یہ کام میرے بس کا نہیں۔ پہاڑوں نے بھی یہی کہا۔ بعض نے کہا: یہ سب تین دن اور تین راتیں گریہ وزاری کرتے رہے اور اپنی بے بسی کا اظہار کرتے رہے۔ لیکن انسان نے اسے اپنے ذمے لے لیا تو اللہ پاک نے اس سے فرمایا: میری مدد تیرے شاملِ حال رہے گی۔ تیری آنکھوں پر دو پلکیں کر دیتا ہوں، جب تو میری ناراضی کی چیزیں دیکھے تو انہیں بند کر لینا۔ تیری زبان پر دو ہونٹ بنا دیتا ہوں، جب وہ میری مرضی کے خلاف بولنا چاہے تو تو اسے بند کر لینا۔ تیری شرمگاہ کی حفاظت کیلئے لباس اتارتا ہوں تو اسے میری مرضی کے خلاف نہ کھولنا۔[5]

یہی مفہوم حضرت عبدُ اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کچھ یوں ذکر فرمایا ہے کہ جب اللہ پاک نے امانت کو پیدا کیا تو اسے چٹان سے تشبیہ دی اور جہاں چاہا اسے رکھ دیا۔ پھر اسے اٹھانے کے لیے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کو دعوت دی۔ پھر فرمایا: یہ امانت ہے، اس پر ثواب اور عذاب ہے۔ انہوں نے معذوری ظاہر کی، لیکن انسان دعوت دیئے جانے سے پہلے ہی متوجہ ہوا، پھر آسمانوں، زمین اور پہاڑوں سے کہنے لگا: تم کیوں رک گئے؟ انہوں نے کہا: ہمارے رب نے ہمیں امانت کو اٹھانے کی دعوت دی تھی، لیکن ہم ڈر گئے کہ ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ انسان نے اپنے ہاتھ سے اسے ہلایا اور کہا: اللہ پاک کی قسم! اگر میں اسے اٹھانا چاہوں تو اٹھا سکتا ہوں۔ پھر انسان نے اسے اٹھایا یہاں تک کہ اسے اپنے گھٹنوں تک لے گیا، پھر اسے رکھ دیا اور کہا: اللہ پاک کی قسم! اگر میں اسے مزید اٹھانا چاہوں تو اٹھا سکتا ہوں۔ انہوں نے کہا: اٹھاؤ۔ تو انسان نے اسے اٹھایا یہاں تک کہ اسے اپنے کندھے پر رکھا۔ جب انسان اسے رکھنے کے لیے جھکا تو انہوں نے کہا: اپنی جگہ پر ہی رہو۔ یہ امانت ہے، اس پر ثواب بھی ہے اور عذاب بھی۔ تو نے اسے اٹھالیا جبکہ تجھے اس کی دعوت بھی نہیں دی گئی تھی۔ لہٰذا اب یہ قیامت تک تیری اور تیری اولاد کی گردن پر ہے۔[6]

اعلیٰ حضرت سے پوچھا گیا: حضور والا امانت کیا تھی؟ ارشاد فرمایا: اس میں اختلاف ہے۔ علماء فرماتے ہیں: وہ عشقِ الٰہی ہے۔ علماء فرماتے ہیں جو ان (یعنی جمادات وحیوانات) کے سمع و اِدراک (یعنی سننے اور سمجھنے کی قوت) پر ایمان نہ لائے اس کے ایمان میں نُقص (یعنی خرابی) ہے۔ یہ سب ایمان لائے ہیں حضور پر۔[7] (جیسا کہ) پہاڑوں کا حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے باتیں کرنا، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ کا ٹھنڈا ہو جانا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا نرم ہو جانا۔[8]

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ پاک نے جب یہ امانت حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کی تو آپ کی نظر اس وقت امانت اور بوجھ پر نہ تھی، بلکہ امانت پیش کرنے والے پر تھی اور اس کے پیش فرمانے میں جو لذت وسرور تھا، اس نے امانت کے بوجھ کو نظروں سے اوجھل کر دیا۔[9]

بعض علمانے فرمایا کہ آیتِ مبارکہ میں امانت اٹھانے سے مراد امانت میں خیانت کرنا ہے اور ساتھ میں اس بات کی وضاحت بھی فرمادی ہے کہ امانت میں خیانت کرنے والے کافر، منافق اور مشرکین یا پھر قابیل ہیں، اطاعت کرنے والے یعنی انبیائے کرام اور مومنین مراد نہیں۔ چنانچہ تفسیرِ نسفی[10] وغیرہ کئی کتب تفسیر میں حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ کا معنیٰ امانت میں خیانت کرنا کیا گیا ہے۔ جیسا کہ امام قرطبی فرماتے ہیں: حضرت آدم نے اپنے بیٹے قابیل کو اپنی اولاد اور گھر والوں پر امین بنایا۔ قابیل کی حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ یہ خیانت تھی کہ اس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ پاک نے حضرت آدم سے فرمایا: اے آدم! کیا تو جانتا ہے کہ زمین میں میرا ایک گھر ہے؟ عرض کی: نہیں۔ فرمایا: مکے میں میرا ایک گھر ہے اس میں آؤ۔ حضرت آدم نے آسمان سے فرمایا: امانت کے طور پر میرے بچے کی حفاظت کر! تو اس نے انکار کر دیا۔ پھر زمین سے فرمایا تو اس نے بھی انکار کر دیا۔ پھر پہاڑوں سے فرمایا تو انہوں نے بھی انکار کر دیا۔ پھر جب اپنے بیٹے قابیل سے یہ فرمایا تو اس نے کہا: ٹھیک ہے آپ جایئے، جب آپ لوٹیں گے تو آپ بچے کو صحیح سلامت پائیں گے۔ مگر جب آپ لوٹے تو دیکھا کہ قابیل نے اپنے بھائی کو قتل کر ڈالا تھا، اسی لئے اللہ نے فرمایا: اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًاۙ (پ22، الاحزاب: 72) ترجمہ: بیشک ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر امانت پیش فرمائی تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس امانت کو اٹھالیا بیشک وہ زیادتی کرنے والا، بڑا نادان ہے۔[11]

امام طبری فرماتے ہیں: سب سے بہتر قول ان لوگوں کا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اس مقام پر امانت سے دینی اور لوگوں کی امانتوں کے تمام معانی مراد ہیں۔ کیونکہ اللہ پاک نے اپنے ارشاد میں امانتوں کا کوئی بھی معنیٰ خاص نہیں فرمایا۔[12]

امانت پیش کرنے کی حکمت اللہ پاک نے انسان پر جو امانت پیش کی تھی، اس میں حکمت یہ تھی کہ مشرکین کا شرک، مومنین کا ایمان، فاسقین کا فسق اور منافقین کا نفاق ظاہر ہو جائے، تاکہ اللہ پاک ان کے ایمان و نفاق کے مطابق انہیں جزا و سزا دے۔ چنانچہ ہمیں چاہیے کہ اللہ پاک کی طرف سے قبول کی گئی امانت کی حفاظت کریں، اپنے اعضا کو گناہوں سے بچائیں، فرائض وواجبات کی ادائیگی کریں، اپنے اندر عشقِ الٰہی پیدا کریں تاکہ فرمانبرداروں کی فہرست میں ہمارا نام بھی شامل ہو۔ توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے، لہٰذا ہم اپنے رب سے امانت میں کوتاہی کی معافی طلب کریں تاکہ اس کو جزا ہی ملے سزا نہ ملے۔ اللہ پاک ہمیں اس امانت کی حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمین بِجاہِ النّبیِّ الاَمین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم

---

1 تفسیر خازن، 3/ 514 2 تفسیر روح البیان، 5/ 186 3 تفسیر نور العرفان، ص 682 4 تفسیر قرطبی، 7/ 188، جزء: 14 5 تفسیر ابن کثیر، 6/ 431 تا 433 6 تفسیر قرطبی، 7/ 189، جزء: 14 7 ملفوظات اعلیٰ حضرت، ص 532 8 ملفوظات اعلیٰ حضرت، ص 533، 534 ماخوذاً 9 تفسیر روح البیان، 7/ 253 10 تفسیر نسفی، ص 953 11 تفسیر قرطبی، 7/ 187، جزء: 14 12 تفسیر طبری، 10/ 342، رقم: 28697

جادو اور اس کی اقسام (قسط3)

بنتِ کریم عطاریہ مدنیہ
معلمہ جامعۃ المدینہ گرلز خوشبوئے عطار واہ کینٹ

جادو کی بہت سی اقسام زمانۂ قدیم سے چلتی آرہی ہیں جن میں سے کچھ اب بھی موجود ہیں۔ کچھ اقسام ایسی بھی ہیں جو پہلے نہیں تھیں لیکن اب پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ سیمیاء زمینی خواص یا کلماتِ خواص کا مجموعہ ہے، یہ حواسِ خمسہ یا وجودِ حقیقی رکھنے والی چیزوں کے کچھ حصے یا کھائی یا سونگھی جانے والی چیزوں وغیرہ کے خیال پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ھیمیاء آثارِ سماویہ کی طرف منسوب چیزوں پر اثر کرتی ہے۔ جبکہ تیسری قسم حقائق کے بعض خواص پر اثر انداز ہوتی ہے۔[1]

شیخُ الاسلام شہابُ الدین امام احمد بن حجر مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الزواجر عن اقتراف الکبائر میں جس کا اردو ترجمہ دو جلدوں میں بنام جہنم میں لے جانے والے اعمال مکتبۃ المدینہ نے شائع کیا ہے، میں جادو کی اقسام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جادو کی کئی اقسام ہیں:

پہلی قسم یہ کَسدَانیوں کا جادو ہے جو قدیم زمانے میں ستاروں کی عبادت کرتے تھے اور گمان کرتے تھے کہ ستارے ساری کائنات کا نظام چلانے والے ہیں۔ ہر بھلائی اور بُرائی انہی سے ظاہر ہوتی ہے۔ البتہ !ستاروں کو مُؤثِّرِ حقیقی جاننا کفر ہے۔

دوسری قسم اس سے مراد وہمی اور مضبوط جانوں کے مالک لوگوں کا جادو ہے۔

تیسری قسم اس سے مراد زمینی روحوں سے مدد طلب کرنے والا جادو ہے۔ فلاسفہ نے جنات کو زمینی اَرواح کا نام دیا ہے۔

چوتھی قسم اس میں خیالات اور نظر کو بند کر دیا جاتا ہے جسے نظر بندی کہا جاتا ہے، مثلاً کشتی پر سوار شخص کو کشتی ٹھہری ہوئی اور کنارے حرکت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور حرکت کرنے والی چیز ٹھہری ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

پانچویں قسم اس میں ہندسی ترتیب پر آلات کو جوڑ کر عجیب و غریب معاملات ظاہر کیے جاتے ہیں۔ فرعون کے جادوگروں کا جادو بھی اسی قسم سے متعلق ہے۔ بھاری چیزوں کے کھینچنے کا علم بھی اسی میں داخل ہے اور وہ یہ ہے کہ بھاری بھر کم چیز ہلکے سے آلے کے ساتھ نہایت آسانی سے کھینچ لی جائے۔ درحقیقت اس قسم کو جادو میں شمار نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس کے لئے یقینی اور معلوم اَسباب ہوتے ہیں اور جو ان پر آگاہ ہو وہی جادو کی اس قسم پر قادر ہو سکتا ہے۔

چھٹی قسم اس میں عقل وغیرہ کو ختم کرنے والی دواؤں کے خواص سے مدد لی جاتی ہے۔

ساتویں قسم اس میں دل کو مُعلَّق کر دیا جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی انسان دعویٰ کرے کہ وہ اسمِ اعظم جانتا ہے اور جن اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ اگر اس کا دعویٰ سننے والا کمزور عقل اور کم تمیز والا ہو تو وہ اسے حق سمجھ لیتا ہے، اس کا دل اس سے مُعلَّق ہو جاتا ہے اور سننے والے کے دل میں اس کا رُعب اور خوف پیدا ہو جاتا ہے، اس وقت جادو کرنے والا اس بات پر قادر ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ جو چاہے کرلے۔[2]

اہلِ سنت وجماعت کا نظریہ اہلِ سنت وجماعت نے جادو کی تمام اقسام کو تسلیم کیا ہے، مثلاً جادوگر کا ہوا میں اڑنے یا انسان کو گدھے اور گدھے کو انسان میں بدلنے پر قادر ہونا اور اس کے علاوہ جادو کی دیگر اقسا ۔ مگر وہ کہتے ہیں: جادوگر کے

مُعَیَّنَہ کلمات سے جادو کرتے وقت اللہ پاک ہی ان چیزوں کو پیدا فرمانے والا ہے۔ اس پر اللہ پاک کا یہ فرمانِ عالیشان دلیل ہے: وَمَاهُمْ بِضَآرِّیْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِؕ (پ1، البقرۃ:102) ترجمہ: حالانکہ وہ اس کے ذریعے کسی کو اللہ کے حکم کے بغیر کوئی نقصان نہیں پہنچاسکتے تھے۔(3)

جادو کی کچھ اقسام ایسی بھی ہیں جن پر جادو کا اطلاق مَجازاً کیا جاتا ہے، کیونکہ ان میں بھی لطافت و باریکی ہوتی ہے ورنہ در حقیقت وہ جادو نہیں ہوتیں۔ جیسا کہ علامہ بیضاوی لکھتے ہیں: اصحابِ حِیَل مختلف آلات، دواؤں اور ہاتھ کی صفائی سے جو عجیب و غریب کام کرتے ہیں وہ جادو نہیں ہیں اور نہ وہ مذموم ہیں، ان کو مجازاً جادو کہا جاتا ہے، کیونکہ ان کاموں میں بھی باریکی ہوتی ہے۔(4) جادو کی ذکر کردہ اقسام میں سے پانچویں قسم بھی اسی سے تعلق رکھتی ہے۔ موجودہ دور میں ٹیلی پیتھی، ہپناٹزم، مسمریزم وغیرہ پر بھی مجازاً جادو کا اطلاق کیا جاسکتا ہے کیونکہ ان میں بھی باریکی اور پوشیدگی پائی جاتی ہے لیکن یہ درحقیقت جادو نہیں کیونکہ ان کے بھی کچھ اسباب و آلات ہوتے ہیں، ٹیلی پیتھی اور ہپناٹزم کیا ہے، ان میں لطافت و باریکی کس طرح کی ہوتی ہے اور ان کو جادو کی اقسام میں کس طرح شمار کیا جاسکتا ہے آیئے! اس کا جائزہ لیتی ہیں:

ٹیلی پیتھی یہ لفظ یونانی زبان کے دو لفظوں کا مجموعہ ہے جن سے مراد کافی دور سے کسی چیز کو محسوس کرنا ہے۔ لغت میں ٹیلی پیتھی کے معنی ہیں: روحانی رابطہ / ایک دل کا دوسرے دل کے ساتھ براہِ راست تعلق۔ جبکہ اصطلاحی لحاظ سے اس کا معنی ہے: خیالات کی منتقلی۔ اس علم کے ذریعے خیالات کو ایک ذہن سے دوسرے ذہن میں منتقل کیا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا علم ہے جس کا تعلق انسان کی غیر مادی قوتِ مُتَحَرِّکہ سے ہے جسے نفسیاتی لحاظ سے سپر فزیکل قوت کا نام دیا گیا ہے۔

ٹیلی پیتھی کی حقیقت اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ پاک نے انسان کو بہت سی چھپی ہوئی صلاحیتوں سے نوازا ہے جو کسی انسان میں کم اور کسی میں زیادہ ہوتی ہیں اور انسان ان کو فروغ دے کر بہت سے کام سر انجام دے سکتا ہے۔ ہم دیکھتی ہیں کہ انسان نے اپنی ان صلاحیتوں کا استعمال کر کے سائنس، میڈیکل اور انجینئرنگ وغیرہ مختلف شعبہ جات میں ناقابلِ تسخیر کارنامے سر انجام دیئے ہیں۔ صرف میڈیکل کو ہی دیکھ لیں تو موجودہ دور میں علاج کے ایسے ایسے طریقے ایجاد ہو چکے ہیں جن کا کبھی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بہت سی ایسی ایجادات وجود میں آچکی ہیں جو کبھی صرف ایک خواب نظر آتی تھیں آج وہ حقیقت بن چکی ہیں۔ لیکن ان سب کے پیچھے کوئی نہ کوئی سبب یا فنی عمل ہوتا ہے۔ ٹیلی پیتھی کا تعلق بھی میڈیکل سائنس سے ہے۔ آج کی سائنس اس بات کو تسلیم کر چکی ہے کہ ایک شخص ہزاروں میل دور بیٹھ کر جو کچھ سوچتا یا عمل کرتا ہے تو اس کی سوچ کو پڑھا جا سکتا ہے اور اس کو خاص کام کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے اور یہ سب کچھ جس علم کے ذریعے ہوتا ہے اس کا نام "ٹیلی پیتھی" ہے۔ کیونکہ کئی لوگوں کا ماننا ہے کہ اس دنیا میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو دوسروں کے جسم پر اپنی ذہنی قوت سے اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ مضبوط ذہن والے ہوتے ہیں اور یہ مضبوط ذہن بیماروں کو تندرست اور تندرستوں کو بیمار کر سکتے ہیں اور ان کا استعمال جدید طریقۂ علاج میں کیا بھی جا رہا ہے۔

ٹیلی پیتھی کا اہم مقصد ٹیلی پیتھی کا اہم مقصد خیالات کو ایک ذہن سے دوسرے ذہن کی طرف منتقل کرنا ہے۔ اس میں سب سے پہلے کسی بھی انسان کے خیالات جان کر یہ اندازہ لگانا پڑتا ہے کہ وہ کس کیفیت میں ہے اور کیا سوچ رہا ہے۔ اس کے بعد ہی یہ ممکن ہوتا ہے کہ انسان اپنے خیالات کسی کے ذہن میں منتقل کر سکے۔ لیکن ظاہر ہے اس سب کے پیچھے بھی کچھ Techniques، کچھ طریقے، کچھ وسائل ہوتے ہیں۔

یاد رہے! ٹیلی پیتھی کا تعلق چونکہ میڈیکل سائنس سے ہے اور میڈیکل یعنی طِبّ کی بنیاد ظن پر ہے۔ لہٰذا اس سے سو

فیصد رزلٹ حاصل ہونا یقینی نہیں۔

ہپناٹزم کیا ہے؟ ہپناٹزم یونانی لفظ ”ہپناسس“ سے بنا ہے جس کا مطلب ہے: نیند یا خمار۔

ہپناسس اصل میں ایک تبدیل شدہ حالت کا نام اور نیند کی ایک ایسی قسم ہے جو کہ مختلف طریقوں سے طاری کی جاسکتی ہے۔ شدت کے اعتبار سے یہ نیند اور بیداری کے درمیان کی کیفیت ہوتی ہے جسے انگریزی میں آلٹر سٹیٹ کہتے ہیں۔ ہپناٹزم سائیکالوجی میں استعمال ہونے والا ایک طریقۂ علاج ہے۔ ماہرِ نفسیات اس طریقۂ علاج کو ڈپریشن اور بے چینی جیسی بیماریوں کے علاج کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

بہت سے ماہرین کے مطابق لاشعور ذہن کا وہ حصہ ہے جس کا تعلق یادداشت سے ہوتا ہے، ہم جو دیکھتے سنتے ہیں وہ ہمارے لاشعور میں جمع ہوتا رہتا ہے۔ شعور تو ہر وقت بیدار رہتا ہے لیکن لاشعور کو بیدار کرنے کے لیے کچھ محنت کرنی پڑتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے کسی بھولی ہوئی پرانی بات کو یاد کرنے کے لیے ذہن پر زور ڈالنا پڑتا ہے۔

ہپناٹزم کی ابتدا ہپناٹزم کا عمل زمانہ قدیم سے کیا جارہا ہے، لیکن اس کی حقیقی ابتدا ڈاکٹر مسمائز سے ہوئی، انہی کے نام پر اس کو مسمریزم بھی کہا جاتا ہے۔ مسمائز سے پہلے اس طریقہ علاج کو روحانی علاج یا جادو اور شیطانی علاج کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

ہپناٹزم کے ذریعے طریقۂ علاج ہپناٹزم میں مختلف طریقوں سے شعور کو خاموش کر کے لاشعور کو بیدار کیا جاتا ہے۔ جب کسی کو ہپناٹائز کیا جاتا ہے تو ماہرِ نفسیات اسے پہلے اتنی پُرسکون حالت میں لے کر آتے ہیں کہ مریض کو نیند آنے لگے۔ لیکن اس کو سونے نہیں دیا جاتا۔ بلکہ اس کے دماغ اور جسم کا رابطہ کم سے کم کر دیا جاتا ہے۔ ہپناٹزم کے دوران انسان کی توجہ دنیا کے دیگر معاملات سے ہٹا کر اس کی اپنی ذات کی طرف کروائی جاتی ہے۔ جس سے اس کی توجہ کا مرکز مکمل طور پر اس کی اپنی ذات ہوتی ہے یا وہ مسئلہ جس کے متعلق اس سے بات کی جا رہی ہے۔

ہپناٹزم کا استعمال جرائم پیشہ افراد اس کا غلط استعمال بھی کرتے ہیں، جیسا کہ پاکستان میں ہپناٹزم کے ماہر ڈاکٹر ابراہیم نے بتایا کہ پوری دنیا میں جرائم پیشہ لوگ ہپناٹزم استعمال کر رہے ہیں اور اس کے لیے وہ بہت زیادہ پریکٹس کرتے ہیں۔ لیکن ہپناٹزم کا زیادہ تر استعمال ڈپریشن کے علاج کے لیے کیا جاتا ہے اور یہ ان لوگوں کے لیے ہوتا ہے جنہیں اپنی پریشانی اور ڈپریشن کی اصل وجہ معلوم نہ ہو۔ مثلاً ایک شخص کے مالی حالات بہترین ہیں، گھر کا سکون بھی نصیب ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ ڈپریشن کا شکار ہے اور اسے معلوم بھی نہیں کہ وہ اس کیفیت میں کیوں ہے! ایسی صورتحال میں اسے تو اصل وجہ معلوم نہیں، لیکن اس کے لاشعور میں اس کی وجہ موجود ہے۔ ایسی کیفیت میں ماہرینِ نفسیات اس کو ہپناٹزم کے ذریعے دیگر معاملات سے توجہ ہٹا کر اس بات تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں جو اس شخص کے لیے پریشانی کا باعث بن رہی ہے۔

بعض ماہرین سگریٹ نوشی اور بچوں کی بُری عادات چھڑوانے کے لئے بھی ہپناٹزم کا استعمال کر رہے ہیں۔

ٹیلی پیتھی اور ہپناٹزم کا شرعی حکم ٹیلی پیتھی اور ہپناٹزم یہ دونوں علوم جائز و ناجائز دونوں مقاصد کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کو صرف جائز مقاصد مثلاً علاج معالجے کے لیے سیکھتا ہے اور اس کے سیکھنے میں کوئی شرکیہ کلمات بھی کہنے پڑتے ہوں نہ کوئی غیر شرعی کام کرنا پڑے، بلکہ صرف جائز طریقے سے مشقوں وغیرہ کے ذریعے سے سیکھ کر مخلوق کا علاج کیا جائے تو اس کی اجازت ہے۔ لیکن اگر انہیں کسی ناجائز مقصد کے لیے سیکھا جائے یا انہیں سیکھنے میں شرکیہ کلمات کہنے پڑیں یا کوئی غیر شرعی کام کرنا پڑے تو اب ان کا سیکھنا ناجائز و حرام ہو گا۔

---

(1) ردالمحتار، 1 / 113 ملتقطاً (2) زواجر، 2 / 201، 202 (3) زواجر، 2 / 203 (4) تفسیر بیضاوی، 1 / 372

حشر کے دن سایۂ عرش پانے والے (قسط 24)

گزشتہ سے پیوستہ گزشتہ قسط میں تقریباً 14 ایسے افراد کا ذکر ہوا جنہیں قیامت کے دن اللہ پاک کے عرش کا سایہ نصیب ہو گا اور وہ 14 قسم کے افراد یہ ہیں:

(1) عادل حکمران (2) جوانی عبادت میں گزارنے (3) مسجدوں سے دل لگانے (4) رضائے الٰہی کیلئے باہم محبت کرنے (5) دعوتِ گناہ سے باز رہنے (6) پوشیدہ صدقہ کرنے (7) تنہائی میں رب کو یاد کر کے رونے (8) اپنی قوم کی حفاظت کرنے (9) قرض معاف کرنے (10) قرض دار کو مہلت دینے (11) کسی ناسمجھ کے ساتھ تعاون کرنے (12) مجاہدین کی مدد کرنے (13) مکاتب غلام کی آزادی میں اس کی مدد کرنے اور (14) مسلمانوں پر نرمی کرنے والے۔

ذیل میں مزید 13 ایسے افراد کا ذکرِ خیر مختصراً ملاحظہ فرمایئے کہ جو قیامت کے دن سایۂ عرش میں ہوں گے:

غازی کے سر پر سایہ کرنے والے غازی کے سر پر سایہ کرنے والے کو اللہ پاک قیامت کے دن اپنے عرش کے سائے میں رکھے گا۔[1]

بھوکے کو کھانا کھلانا جس نے بھوکے کو کھانا کھلایا اللہ پاک اسے اپنے عرش کے سائے میں جگہ عطا فرمائے گا۔[2]

سچا تاجر سچا امانت دار تاجر قیامت کے دن عرشِ الٰہی کے سائے میں ہو گا۔[3] ایک اور روایت میں ہے کہ سچا امانت دار تاجر قیامت کے دن انبیائے کرام، صدیقین اور شہدائے عظام کے ساتھ ہو گا۔[4]

یتیم یا بیوہ کی کفالت کرنے والے جس نے کسی یتیم یا بیوہ کی کفالت کی اللہ کریم اسے اپنے عرش کے سائے میں جگہ اور جنّت میں داخلہ عطا فرمائے گا۔[5] ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ پاک کی بارگاہ میں عرض کی: اے اللہ! جو بندہ تیری رضا کے لئے کسی بیوہ یا یتیم کی پرورش کرے،[6] انہیں پناہ دے[7] یا پیٹ بھر دے[8] تو اس کی جزا کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: میں اسے اپنے عرش کے سائے میں جگہ عطا فرماؤں گا جس دن اس کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہو گا۔[9]

اچھے اخلاق سے پیش آنے والے اللہ پاک نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اے میرے خلیل! اچھے اخلاق سے پیش آؤ خواہ کفار ہی کیوں نہ ہوں، نیکوں میں داخل ہو جاؤ گے اور بے شک میں نے یہ بات لکھ دی ہے کہ جس نے اپنے اخلاق کو ستھرا کیا میں اسے اپنے عرش کے سائے میں جگہ دوں گا، حظیرۃ القدس (یعنی جنت) سے سیراب کروں گا اور اپنے جوارِ رحمت کا قرب بھی عطا فرماؤں گا۔[10]

نوٹ کفار کے ساتھ حسنِ سلوک، کفر اور کفر پر مدد و اعانت کے علاوہ دیگر معاملات میں ہو سکتا ہے، مثلاً مشرک پڑوسی کے ساتھ حق پڑوس کی ادائیگی اور کافر باپ کی غیر کفریہ معاملات میں اطاعت وغیرہ، وگرنہ کفار سے موالات (یعنی میل جول) ناجائز و حرام ہے۔ اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہیں: قرآنِ عظیم نے بکثرت آیتوں میں تمام کفار سے موالات (یعنی میل جول، باہمی اتحاد، آپس کی دوستی) قطعاً حرام فرمائی، مجوس (آگ کے پجاری)

ہوں خواہ یہود و نصاریٰ ہوں، خواہ ہنود اور سب سے بدتر مُرتدانِ عُنُود (دینِ حق سے بغاوت کرنے والے مرتدین)۔[11] دنیوی معاملات (مثلاً خرید و فروخت وغیرہ اپنی شرائط کے ساتھ) جس سے دین پر ضرر (نقصان) نہ ہو سوا مُرتدین کے کسی سے ممنوع نہیں۔[12] مزید تفصیل کے لئے فتاویٰ رضویہ کے مذکورہ مقامات کا مطالعہ فرمایئے۔

غم کھانے والے نمازِ جنازہ پڑھا کرو یہ تمہیں غمگین کرے گا اور غمزدہ (بروزِ قیامت) عرش کے سائے میں ہو گا۔[13]

اپنے یتیم بچوں کی خاطر آگے شادی نہ کرنے والیاں قیامت کے دن جب عرش کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا تو اس روز وہ عورت سایۂ عرش میں ہو گی جس کا شوہر انتقال کر گیا اور چھوٹے یتیم بچے پیچھے چھوڑ گیا تو وہ عورت ان بچوں کی پرورش کرے یہاں تک کہ اللہ کریم انہیں غنی کر دے یا ان کا انتقال ہو جائے۔[14]

بچے کی موت پر تعزیت و غم خواری کرنے والے حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: جس عورت کے بچے کا انتقال ہو جائے تو اس عورت کی غم خواری کرنے والے کی جزا کیا ہے؟ ارشاد فرمایا گیا: میں اسے اپنے عرش کے سائے میں رکھوں گا جس دن اس کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہو گا۔[15] ایک روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے یوں عرض کی: اے میرے رب! وہ کون ہے جو تیرے عرش کے سائے میں ہو گا جس دن اُس کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہو گا؟ تو اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: اے موسیٰ! وہ لوگ جو کسی کا بچہ فوت ہو جائے تو اس سے تعزیت کرتے ہیں۔[16]

اچھی مہمان نوازی کرنے والے قیامت کے دن جب عرش کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا تو وہ شخص بھی اس روز سایۂ عرش میں ہو گا جس نے مہمان کے لیے کھانا بنایا اور خوب خرچ کیا، پھر اس کھانے پر یتیم اور مسکین کو بلایا اور رضائے الٰہی کے لیے ان کو کھانا کھلایا۔[17]

عادل بادشاہ کو نصیحت کرنے والے مسلمانوں کے پہلے خلیفہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: عدل و انصاف اور عاجزی کرنے والا بادشاہ زمین پر اللہ پاک (کی رحمت) کا سایہ اور اس کا نیزہ ہے، پس جس نے بادشاہ کو اپنے اور اللہ پاک کے بندوں کے متعلق نصیحت کی (یعنی فائدہ مند بات بتائی) اللہ پاک اس کا حشر اپنے سایہ رحمت میں فرمائے گا جس دن اس کے سایۂ رحمت کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہو گا اور جس نے بادشاہ کو اپنے اور اللہ پاک کے بندوں کے بارے میں دھوکا دیا اللہ پاک اس کو قیامت کے دن رسوا کرے گا۔[18]

صلہ رحمی کرنے والے قیامت کے دن عرش کے سائے تلے جو تین چیزیں ہوں گی ان میں سے ایک صلہ رحمی بھی ہے، یہ پکار کر کہے گی (اے اللہ:) اسے ملا، جس نے مجھے ملایا اور اسے کاٹ، جس نے مجھے کاٹا۔[19] چنانچہ قیامت کے دن جب عرش کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا تو صلہ رحمی کرنے والا بھی عرش کے سائے میں ہو گا، اللہ پاک اس کے رزق کو بڑھاتا اور عمر میں اضافہ کرتا ہے۔[20]

یقین رکھنے والے ایک روایت کے مطابق وہ شخص جس نے کہیں بھی توجہ کی تو یہ یقین رکھا کہ اللہ پاک اس کے ساتھ ہے وہ بھی سایۂ رحمت میں ہو گا۔[21]

---

1 مسند امام احمد، 1/53، حدیث: 126 2 مکارم الاخلاق، ص373، حدیث: 164 3 شعب الایمان، 6/494، حدیث: 9029 4 ترمذی، 3/5، حدیث: 1213 5 مجمع الزوائد، 3/114، حدیث: 4066 6 کنز العمال، 8/367، جزء: 15، حدیث: 43459 7 حلیۃ الاولیاء، 4/48، حدیث: 4708 8 زہد لابن المبارک، ص164، حدیث: 477 9 کنز العمال، 8/367، جزء: 15، حدیث: 43459 10 معجم اوسط، 5/37، حدیث: 6506 11 فتاویٰ رضویہ، 15/273 12 فتاویٰ رضویہ، 24/331 13 مستدرک، 5/470، حدیث: 8011 14 تنبیہ الغافلین، ص73 15 الترغیب فی فضائل الاعمال، ص121، حدیث: 408 16 تمہید الفرش، 16، رقم: 76 17 مسند الفردوس، 2/99، حدیث: 2526 18 فضیلۃ العادلین، ص124، حدیث: 17 19 نوادر الاصول، 5/391، حدیث: 1261 20 مسند الفردوس، 2/99، حدیث: 2526 21 معجم کبیر، 8/240، حدیث: 7935

حضور کی بہادری

(نئی رائٹرز کی حوصلہ افزائی کے لئے یہ دو مضمون 24ویں تحریری مقابلے سے منتخب کرکے ضروری ترمیم و اضافے کے بعد پیش کئے جارہے ہیں)

بنتِ الیاس
(درجہ: ثالثہ، جامعۃ المدینہ گرلز گلستانِ عطار ناظم آباد، کراچی)

بہادری ایک ایسا وصف ہے جو کسی بھی فرد کے کردار کو نکھارتا اور اسے حق پر ثابت قدم رہنے میں مدد دیتا ہے، اس کی ضد بزدلی ہے اور بزدلی ایک ایسی بُری صفت ہے جو انسان کو حق پر کھڑا نہیں رہنے دیتی، یہی وجہ ہے کہ بزدل انسان کوئی نمایاں کارنامہ سرانجام نہیں دے سکتا۔ اللہ پاک ہر عیب و نقص سے پاک ہے، اس نے اپنے نبیوں کو بھی ہر طرح کی بُری صفات سے پاک اور معصوم پیدا فرمایا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنے پیارے محبوب اور سردارِ انبیا صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو ایسی صفت سے متصف فرمائے جسے عام لوگ بھی بُرا جانتے ہوں! کیونکہ اللہ پاک نے اپنے محبوبِ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے اچھے اخلاق کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہونے کے بارے میں قرآنِ پاک میں ارشاد فرمایا: وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝ (پ29، القلم:4) ترجمہ: اور بیشک تم یقیناً عظیم اخلاق پر ہو۔

اللہ پاک نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو تمام صفاتِ عالیہ کے ساتھ ساتھ بہادری جیسی صفت سے بھی خوب نوازا ہے۔ بڑے سے بڑے بہادر کو بھی اگر یہ یا کوئی اور اچھی صفت ملی ہے تو وہ آپ ہی کا صدقہ ہے، یوں ہی اگر کسی نبی، صحابی یا ولی کو کوئی بھی صفتِ کمال عطا ہوئی ہے تو یہ آپ ہی کا صدقہ ہے۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کیا خوب فرماتے ہیں:

لَا وَرَبِّ الْعَرْش جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ، امیر المومنین حضرت علی شیرِ خدا، مولا علی مشکل کشا رضی اللہ عنہ جیسے بہادر صحابیِ رسول حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی شجاعت و بہادری کے متعلق فرماتے ہیں: جنگ میں جب لڑائی خوب شدت اختیار کر جاتی اور جنگ کی شدت دیکھ کر بہادروں کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں تو اس وقت ہم حضور کے دامنِ کرم کو تلاش کرتے اور آپ کے پہلو میں کھڑے ہو کر اپنا بچاؤ کرتے۔ جبکہ آپ تمام لوگوں سے آگے بڑھ کر دشمنوں کے درمیان پہنچ کر جنگ فرماتے اور اس وقت سب سے بہادر وہ سمجھا جاتا جو حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے قریب رہ کر دشمنوں کا مقابلہ کرتا۔[1]

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اکثر خچر پر سوار ہو کر جنگ میں تشریف فرما ہوتے کہ خچر ایسا جانور ہے جو جنگ میں پیچھے نہیں لوٹتا۔[2] چنانچہ جنگِ حنین میں جب مسلمانوں کے پاؤں اکھڑنے لگے اور ہر جانب سے کفار کے تیروں کی بارش ہو رہی تھی تو حضور ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹے۔ آپ ایک سفید خچر پر سوار تھے جس کی لگام حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ پکڑے ہوئے تھے۔ حضور اکیلے ہی دشمنوں کے لشکروں کے ہجوم کی طرف بڑھتے چلے جارہے تھے اور فرماتے جارہے تھے: اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ یعنی میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں، میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔[3]

خادمِ رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسولِ پاک صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم تمام لوگوں میں بہت حسین، سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔ ایک رات

ایک آواز سن کر مدینے والے گھبرا گئے اور ابھی وہ اسی شش و پنج میں تھے کہ وہ آواز کیسی تھی کہ کیا دیکھتے ہیں کہ حضور حضرت ابو طلحہ کے گھوڑے پر سوار ان کی طرف آئے اور دو بار فرمایا: ہر گز نہ گھبراؤ۔[4]

غزوۂ خندق میں جب خندق کھودتے وقت ایک سخت چٹان ظاہر ہوئی اور وہ کسی سے نہ ٹوٹی تو صحابہ کرام نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی، آپ تشریف لائے اور اس زور سے چٹان پر ضرب لگائی کہ وہ ریزہ ریزہ ہو گئی۔[5]

یہ تو رہا مدنی دور، لیکن اوائلِ اسلام میں جب مسلمانوں کی حالت بہت خستہ تھی، ظلم و ستم کا دور دورہ تھا، آپ کے رشتے دار جانی دشمن بنے ہوئے تھے جن میں آپ کا چچا ابو لہب بھی شامل تھا جو کبھی بازاروں میں پتھر مار کر آپ کو تکلیفیں دیتا تو کبھی آپ کی اولادِ پاک کے ذریعے تکلیفیں پہنچاتا۔ اس بد بخت کے دو بیٹوں کے نکاح میں جانِ عالَم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی دو شہزادیاں حضرت رقیہ اور حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہما تھیں، اس نے آپ کو دینِ اسلام کی تبلیغ سے روکنے کے لیے ان دونوں شہزادیوں کو رخصتی سے پہلے ہی طلاق دلوا دی تاکہ آپ کو کمزور کر سکے، لیکن ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم حق پر جمے رہے اور وہ نامراد و برباد ہوا۔

ایک مرتبہ جب کفارِ مکہ نے آپ کے چچا ابو طالب کے پاس آکر کہا کہ یا تو آپ اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دیں یا پھر ہم سے جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ جب یہ بات ابو طالب نے آپ سے کہی کہ بیٹا! میری ان بوڑھی ہڈیوں میں اتنا دم نہیں کہ میں ان سب کا مقابلہ کر سکوں، یہ لوگ غیض و غضب کے مارے اتنے بپھر چکے ہیں کہ تم پر اور مجھ پر تلوار اٹھانے سے بھی گریز نہ کریں گے۔ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے جو الفاظ ارشاد فرمائے وہ تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا: اے میرے چچا جان! خدا کی قسم! اگر قریش میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند لا کر رکھ دیں تب بھی میں اس فرض سے باز نہ آؤں گا، یا تو خدا اس کام کو پورا فرما دے گا یا میں خود دینِ اسلام پر نثار ہو جاؤں گا۔[6]

شعبِ ابی طالب کی سختیاں ہوں یا ساحر، مجنون یا کاہن جیسے بُرے الفاظ سے پکارا جانا ہو یا سجدے میں مبارک سر ہو اور آپ کی پیٹھ مبارک پر اونٹ کی اوجھڑی کا رکھ دیا جانا ہو یا آپ کو مکے شریف سے مدینے شریف کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کیا جانا ہو۔ الغرض آپ ہر حال میں دینِ حق پر ثابت قدم رہے، خود کو ہر طرح سے اللہ پاک کی بارگاہِ ناز میں اطاعت و فرمانبرداری اور شکر گزاری کے ساتھ جھکائے رکھا، نیز تمام حالات کا صبر و استقامت، بہادری، تحمل مزاجی اور عفو و درگزر کے ساتھ مقابلہ فرمایا۔

سبحان اللہ! کیا شان ہے میرے حضور کی کہ ہر اچھی خوبی حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی ذات میں کامل اور اکمل طور پر موجود ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کیا خوب لکھتے ہیں:

تیرے تو وَصف عیب تناہی سے ہیں بَری
حیراں ہُوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے
لیکن رضاؔ نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

اللہ پاک ہمیں حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے اوصافِ حمیدہ کا صدقہ عطا فرمائے۔ آمین بجاہِ النبی الامین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم

بنتِ حیدر
(درجہ: رابعہ، جامعۃ المدینہ گرلز گلبہار، سیالکوٹ)

اللہ پاک کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر تھے اور آپ کی شجاعت و بہادری کا کتبِ سیرت میں کئی مقامات پر ذکر ملتا ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق آقا کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے کل 19 غزوات میں شرکت فرمائی۔[7] غزوۂ سفوان میں حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا اس ڈاکو کا پیچھا کرنا جس نے مدینے شریف

پر حملہ کیا تھا اور پھر اس کا بھاگ جانا، ہجرت کا موقع ہو، غزوۂ بدر کا موقع ہو، غزوۂ حنین ہو یا فتحِ مکہ۔ غزوۂ ذات الرقاع میں کفار کے مقابلے کے لئے جب حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم صحابہ کرام کے لشکر کے ساتھ نکلے تو کفار کا بھاگ جانا، ان تمام مواقع پر حضور کا بہادری کا مظاہرہ فرمانا۔ غزوۂ خندق میں چٹان کا ظاہر ہونا اور حضور کا تین دن کے فاقہ کے باوجود اپنے دستِ مبارک سے پھاوڑا مارنا اور چٹان کا ٹوٹ کر بکھر جانا وغیرہ واقعات سیرت کی کتابوں میں اپنے جلوے بکھیر رہے ہیں۔

مزید چند واقعات مختصراً پیشِ خدمت ہیں:

بہادریِ مصطفےٰ بزبانِ مولیٰ علی جنگ کے دن ہم نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پناہ میں اپنا بچاؤ کرتے تھے۔ آپ ہم سب سے زیادہ دشمن کے قریب ہوتے تھے۔ اس دن آپ لڑائی میں سب سے زیادہ مضبوط اور طاقتور تھے۔[8]

مشرکین کا بھاگ نکلنا ربیع الاول 5 سنِ ہجری میں جب معلوم ہوا کہ مقام دُوْمَۃُ الجَنْدَل میں مدینے پر حملہ کرنے کے لئے ایک بہت بڑی فوج جمع ہو رہی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم ایک ہزار صحابہ کرام کا لشکر لے کر مقابلے کے لئے مدینے سے نکلے، جب مشرکین کو معلوم ہوا تو وہ لوگ اپنے مویشیوں اور چرواہوں کو چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے تین دن وہاں قیام فرما کر مختلف مقامات پر صحابہ کرام علیہم الرضوان کے لشکروں کو روانہ فرمایا۔[9] اس غزوہ میں کوئی جنگ تو نہ ہوئی مگر حضور کی بہادری سے ہر ایک مرعوب ہو گیا۔

جنگِ اُحد کے موقع پر اندازِ مصطفےٰ جنگِ اُحد کے موقع پر جب یہود کا ایک لشکر مسلمانوں کی مدد کے لیے آرہا تھا اور آقا صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے لوگوں نے اس کے متعلق عرض کی تو آپ نے ارشاد فرمایا: ان لوگوں سے کہہ دو کہ واپس لوٹ جائیں۔ ہم مشرکوں کے مقابلے میں مشرکوں کی مدد نہیں لیں گے۔[10] حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم چاہتے تو اپنے لشکر کی تعداد زیادہ کرنے کے لئے مدد لے سکتے تھے لیکن بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ نے منع فرمادیا۔

تلوارِ مصطفےٰ اسی موقع پر حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے مبارک ہاتھ میں ایک تلوار تھی جس پر یہ شعر لکھا تھا جس کا ترجمہ کچھ یوں ہے کہ بزدلی میں شرم ہے اور آگے بڑھ کر لڑنے میں عزت ہے اور آدمی بزدلی کر کے تقدیر سے نہیں بچ سکتا۔[11]

لشکرِ دُعثور کا حال ربیع الاول 3 سنِ ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اِطلاع ملی کہ نجد کے دُعثور نامی مشہور بہادر نے مدینے پر حملہ کرنے کے لیے ایک لشکر تیار کر لیا ہے۔ اس خبر کے بعد نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم 450 صحابہ کرام کی فوج لے کر روانہ ہو گئے۔ جب دُعثور کو خبر ملی تو وہ بھاگ نکلا اور اپنے لشکر کو لے کر پہاڑوں پر چڑھ گیا۔ مگر اس کی فوج کا ایک آدمی گرفتار ہو گیا اور فوراً ہی کلمہ پڑھ کر اس نے اسلام قبول کر لیا۔[12]

حضور کے سہارے دشمن سے مقابلہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے متعلق فرمایا: ہم جنگ میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سہارے دشمنوں سے اپنا بچاؤ کرتے تھے۔ اس وقت سب سے بہادر وہ سمجھا جاتا جو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے قریب رہ کر دشمنوں کا مقابلہ کرتا۔[13]

الحمد للہ اس مختصر سے مضمون میں حضور کی بہادری سے متعلق مختصراً چند واقعات ذکر کئے گئے۔ مزید معلومات کیلئے کتبِ سیرت کو پڑھئے۔ اللہ پاک حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بہادری کے صدقے ہمیں بھی اس وصف سے متصف فرمائے۔

اٰمین بِجاہِ النّبیِّ الْاَمین صلی اللہ علیہ والہ وسلم

---

(1) الشفاء، 1/116 (2) مرقاۃ المفاتیح، 10/73، تحت الحدیث: 5804 (3) مسلم، ص758، حدیث: 4617 (4) بخاری، 4/108، حدیث: 6033 (5) بخاری، 3/51، حدیث: 4101 ملخصاً (6) سیرۃ ابن ہشام، 104، 103 ملخصاً (7) بخاری، 3/3، رقم: 3949 (8) شرح السنۃ، 7/47، حدیث: 3593 (9) مدارج النبوت، 2/184 ملخصاً (10) مدارج النبوت، 2/114 (11) شرح زرقانی، 2/404 (12) مواہب لدنیہ مع شرح زرقانی، 2/379 تا 381 ملخصاً (13) مسلم، ص758، حدیث: 4616

حضرت یونس علیہ السلام کے معجزات و عجائبات (قسط 1)

بنی اسرائیل میں مَتّٰی نامی ایک عورت اللہ پاک کے پیارے نبی حضرت الیاس علیہ السلام کی خدمت کیا کرتی تھی۔ پھر حضرت الیاس علیہ السلام پہاڑوں میں جاکر اللہ پاک کی عبادت میں مصروف ہوگئے، ان کے جانے کے کچھ ہی دنوں بعد متّی کا دودھ پیتا بچہ انتقال کر گیا، وہ بڑی غمگین حالت میں حضرت الیاس علیہ السلام کو پہاڑوں میں ڈھونڈتی رہی بالآخر آپ کو پالیا اور عرض کی: میرے بیٹے کا انتقال ہو گیا ہے اور میری کوئی اور اولاد نہیں ہے، آپ رب سے دعا کیجئے کہ وہ میرے بیٹے کو زندہ کر دے اور میری مصیبت کو ٹال دے، میں نے اسے ایک کپڑے میں لپیٹ کر رکھا ہے اور دفنایا نہیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام نے اس سے فرمایا: اللہ پاک کی جانب سے مجھے جس بات کا حکم ملتا ہے میں وہی کرتا ہوں، لیکن ابھی مجھے تمہارے بیٹے کے لئے دعا کرنے کا حکم نہیں ملا۔ یہ سن کر وہ عورت بہت زیادہ رونے اور گڑگڑانے لگی تو حضرت الیاس علیہ السلام نے اس سے پوچھا: تمہارا بیٹا کب مرا تھا؟ اس نے کہا: سات دن ہوئے ہیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام اس کے ساتھ چل دیئے اور سات دن چلنے کے بعد اس کے گھر پہنچے، اب بچے کے انتقال کو 14 دن گزر چکے تھے۔ حضرت الیاس علیہ السلام نے وضو کرکے نماز پڑھی اور اللہ پاک نے آپ کی دعا کی برکت سے اس کے بیٹے کو زندہ فرما دیا۔ اس کے بعد حضرت الیاس واپس پہاڑوں میں تشریف لے گئے۔[1]

یونس نامی یہ بچہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے حضرت بنیامین کی اولاد میں سے تھا۔[2] جو اپنی والدہ کی جانب نسبت کے سبب یونس بن متّی کے نام سے مشہور ہوا۔[3] ایک قول کے مطابق متّی آپ کے والد[4] اور بدورہ آپ کی والدہ کا نام تھا۔[5] یہی وہ بچہ ہے جسے بعد میں اللہ پاک نے ایک قول کے مطابق 40 سال[6] اور ایک قول کے مطابق 28 سال کی عمر میں نبوت عطا فرمائی۔[7]

اللہ کریم نے اپنے اس پیارے نبی اور رسول کا مختصر ذکرِ خیر سورۂ نسآء کی آیت نمبر 163 اور سورۂ انعام کی آیت نمبر 86 میں فرمایا ہے، جبکہ تفصیلی ذکرِ خیر ان 4 سورتوں میں موجود ہے: (1) سورۂ یونس، آیت نمبر 98 (2) سورۂ انبیاء، آیت نمبر 87، 88 (3) سورۂ صٰفّٰت، آیت نمبر 139 تا 148 (4) سورۂ قلم، آیت نمبر 48 تا 50۔

حضرت یونس علیہ السلام نے کبھی کوئی بات غلط نہ کی۔[8] انبیائے کرام علیہم السلام میں سب سے زیادہ نمازیں آپ نے پڑھی ہیں۔ معراج کی رات حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت یونس علیہ السلام کو ایک وادی میں دیکھا کہ وہ ایک سرخ گھنگریالے بالوں والی اونٹنی پر سوار ہیں جس کی نکیل کھجور کی چھال ہے، جسم پر ایک اونی جبہ ہے اور زبان پر لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ جاری ہے۔[9] آپ مچھلی کے پیٹ میں تشریف لے گئے تھے اس وجہ سے آپ کو ذُوالنُّون اور صاحِبُ الْحُوْت (یعنی مچھلی والے) بھی کہا جاتا ہے، یہ دونوں آپ کے القاب ہیں۔ چنانچہ حکیمُ الاُمّت حضرت مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

ہیں: ذُو النُّون حضرت یونس علیہ السلام کا لقب ہے، کیونکہ آپ کچھ روز مچھلی کے پیٹ میں رہے تھے مگر اس کی غذا بن کر نہیں کہ نبی کا جسم تو قبر کی مٹی بھی نہیں کھاتی چہ جائیکہ مچھلی کھائے بلکہ امانتِ الٰہی بن کر۔ اسی لیے قرآنِ کریم نے فرمایا: **فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ** (پ23، الصّٰفّٰت: 142) انہیں مچھلی نے نگل لیا جیسے موتی کو نگل لیتی ہے یہ نہ فرمایا کہ مچھلی نے انہیں کھالیا۔ عُلَما فرماتے ہیں: اس مچھلی کا پیٹ عرشِ اعظم سے افضل ہے کہ ایک پیغمبر کا کچھ دن تجلی گاہ رہا جب مچھلی کا پیٹ عرشِ اعظم سے افضل ہو گیا تو حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا کا وہ شکمِ پاک جس میں سید الانبیاء (صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم) نو ماہ تک جلوہ افروز رہے وہ تو عرش سے کہیں افضل ہے۔ قیمتی موتی قیمتی ڈبی میں رکھا جاتا ہے۔[10] اس مچھلی کا نام نَجم تھا۔[11] وہ دریائے دجلہ اور ایک قول کے مطابق دریائے نیل کی مچھلی تھی۔[12] مچھلی کے پیٹ میں آپ نے کنکریوں[13]، جنات، مچھلیوں اور دیگر دریائی جانوروں کو ذکرِ الٰہی کرتے ہوئے سنا۔[14] جب آپ مچھلی کے پیٹ میں تھے تو یہ مچھلی دریا میں ایک چلتی پھرتی قبر کی طرح تھی۔[15] حضرت یونس علیہ السلام کی یہ مچھلی جنت میں جائے گی۔[16]

مچھلی کے پیٹ میں جانے کا واقعہ

حضرت عبدُ اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم سے عذاب کا وعدہ کیا تھا، جب اس میں تاخیر ہوئی تو (قتل سے بچنے کے لئے) آپ اُن سے چھپ کر نکل گئے، آپ نے دریائی سفر کا ارادہ کیا اور بھری کشتی پر سوار ہوگئے، جب کشتی دریا کے درمیان پہنچی تو ٹھہر گئی اور اس کے ٹھہرنے کا کوئی ظاہری سبب موجود نہ تھا۔ ملاحوں نے کہا: اس کشتی میں اپنے مولا سے بھاگا ہوا کوئی غلام ہے، قرعہ اندازی کرنے سے ظاہر ہو جائے گا کہ وہ کون ہے! چنانچہ تین بار قرعہ اندازی کی گئی ہر بار آپ ہی کا نام نکلتا، آپ نے فرمایا: میں ہی وہ غلام ہوں۔ اس کے بعد آپ پانی میں ڈال دیئے گئے کیونکہ ان لوگوں کا دستور تھا کہ جب تک بھاگا ہوا غلام دریا میں غرق نہ کر دیا جائے اس وقت تک کشتی چلتی نہ تھی۔[17]

علامہ احمد صاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت یونس علیہ السلام اپنے اجتہاد کی وجہ سے کشتی میں سوار ہوئے تھے کیونکہ جب عذاب میں تاخیر ہوئی اور حضرت یونس علیہ السلام کو یہ گمان ہوا کہ اگر وہ اپنی قوم میں ٹھہرے رہے تو وہ انہیں شہید کر دیں گے کیونکہ ان لوگوں کا دستور تھا کہ جس کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائے تو وہ اسے قتل کر دیتے تھے، لہٰذا حضرت یونس علیہ السلام کا کشتی میں سوار ہونا اللہ پاک کی نافرمانی نہیں اور نہ ہی کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ تھا اور اَولیٰ کام کی مخالفت کی بنا پر مچھلی کے پیٹ میں قید کر کے ان کا مؤاخذہ ہوا کیونکہ ان کے لئے اَولیٰ یہی تھا کہ اللہ پاک کے حکم کا انتظار کرتے۔[18]

اولاد کی آزمائش

حضرت یونس علیہ السلام اپنی اہلیہ محترمہ اور دو بچوں کو لے کر دریائے دجلہ کے کنارے تشریف لے آئے، کشتی آئی تو آپ نے فرمایا: مجھے بھی سوار کر لو۔ کشتی میں سوار لوگوں نے کہا: بعض کو ہی بٹھا سکتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے اپنی اہلیہ کو بٹھا دیا۔ دوسری کشتی نظر آئی تو آپ اس کی جانب بڑھے، اتنے میں ایک بیٹا دریا کے قریب آیا، اس کا پاؤں پھسلا اور دریا میں ڈوب کر انتقال کر گیا، جبکہ دوسرے بیٹے پر بھیڑیئے نے حملہ کیا اور اسے کھا گیا۔ آپ واپس آئے تو دیکھا کہ ایک بیٹے کی لاش پانی پر تیر رہی ہے جبکہ دوسرے کو بھیڑیا کھا چکا تھا۔ آپ سمجھ گئے کہ یہ اللہ پاک کی جانب سے آزمائش ہے۔ آخر کار آپ دوسری کشتی میں سوار ہوئے تاکہ اہلیہ کے پاس پہنچ جائیں۔ جب کشتی پانی کے درمیان میں پہنچی تو اللہ پاک نے اسے حکم فرمایا: رک جا! تو وہ رک گئی، حالانکہ دیگر کشتیاں اس کشتی کی سیدھی اور الٹی جانب رواں دواں تھیں۔ لوگ ایک دوسرے سے کشتی رکنے کا سبب پوچھتے رہے مگر ہر کوئی لاعلمی کا اظہار کر رہا تھا، اتنے میں حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا: میں جانتا ہوں، اس کشتی میں اپنے رب سے بھاگا ہوا ایک غلام موجود ہے، تم لوگ اسے پانی میں ڈال دو گے تو کشتی چل پڑے

گی۔ بولے: وہ کون ہے؟ فرمایا: میں۔ بولے: اللہ پاک کی قسم! ہم آپ کو ہر گز پانی میں نہیں ڈالیں گے۔ ہمیں آپ کے بغیر اس آفت سے نجات کی امید نہیں۔ آپ نے فرمایا: تم لوگ قرعہ اندازی کرو، جس کا نام نکل آئے اسے پانی میں ڈال دینا۔ قرعہ اندازی ہوئی تو آپ کا نام نکل آیا مگر انہوں نے آپ کو پانی میں ڈالنے سے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ قرعہ اندازی غلط بھی ہو سکتی ہے اور درست بھی۔ انہوں نے دوبارہ قرعہ اندازی کی تو اس بار بھی آپ کا نام نکلا تو آپ نے ان سے فرمایا: مجھے پانی میں ڈال دو۔ اللہ پاک نے سمندروں کی گہرائی میں موجود ایک مچھلی کو الہام فرمایا کہ آکر حضرت یونس علیہ السلام کی کشتی کو گھیر لے۔ چنانچہ مچھلی سمندر چیرتی ہوئی آئی اور اس نے کشتی کے مقابل آکر اسے گھیر کر اپنا منہ کھول دیا۔[19] یہ مچھلی جانبِ یمن سے آئی تھی۔[20]

اللہ پاک نے مچھلی کو الہام فرمایا کہ میں نے یونس علیہ السلام کو تیرے لئے غذا نہیں بنایا بلکہ تیرے پیٹ کو اس کے لئے قید خانہ بنایا ہے لہٰذا تم ان کی کوئی ہڈی توڑنا نہ ان کے گوشت کو کاٹنا۔[21] کیونکہ وہ میرا نبی اور پسندیدہ بندہ ہے۔ تو مچھلی بولی: اے میرے رب! میرے پیٹ کو ان کا ٹھکانا بنادے، میں ان کی ایسے حفاظت کروں گی جیسے ماں اپنے بچے کی حفاظت کرتی ہے۔[22] جبکہ تفسیرِ قرطبی میں ہے کہ اے مچھلی! ہم نے یونس کو تیرا رزق نہیں بنایا بلکہ تجھے ان کے لئے جائے پناہ اور مسجد بنایا ہے۔[23]

مچھلی نے اپنا منہ کھول دیا ایک اور روایت میں الفاظ کچھ یوں ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا: کشتی والو! مجھے پانی میں ڈال دو، کشتی والوں نے آپ کو کشتی کے اگلے حصے سے پانی میں ڈالنا چاہا تو اچانک ایک مچھلی اپنا منہ کھولے سامنے آگئی، آپ نے فرمایا: مجھے کشتی کے پچھلے حصے سے پانی میں ڈال دو، دیکھا تو وہاں بھی وہی مچھلی منہ کھولے سامنے آگئی۔ آپ نے فرمایا: مجھے کشتی کے درمیان والے حصے سے پانی میں ڈال دو، آپ کو اس طرف سے پانی میں ڈالنا چاہا تو وہاں بھی مچھلی آگئی۔ جب دوسری جانب لے جایا گیا تو ادھر بھی وہی معاملہ پیش آیا۔ یہ دیکھ کر آپ نے کشتی والوں سے فرمایا: مجھے پانی میں ڈال دو، نجات پالو گے کہ اللہ پاک کے علاوہ کوئی جائے پناہ نہیں۔ چنانچہ انہوں نے آپ کو پانی میں ڈال دیا تو پانی میں پہنچنے سے پہلے ہی اس مچھلی نے آپ کو نگل لیا۔[24] اور تمام سمندروں کا چکر لگایا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس مچھلی کو اس سے بڑی مچھلی نے نگل لیا تھا۔[25]

مچھلی آپ کو 6 ہزار سال کی مسافت پر لے گئی، جبکہ بعض کے نزدیک ساتویں زمین کی گہرائی تک لے گئی۔[26] مچھلی کے پیٹ میں پہنچ کر آپ سمجھے کہ آپ کا انتقال ہو گیا ہے لہٰذا آپ نے اپنے سر، دونوں ٹانگوں اور اعضا کو حرکت دی تو معلوم ہوا کہ آپ زندہ ہیں تو آپ نے نماز پڑھی اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: اے میرے رب! میں تیرے لئے ایسی جگہ مسجد بناؤں گا جہاں لوگوں میں سے کوئی بھی نہ پہنچ سکے گا۔[27] مچھلی اپنا سر بلند کر کے سانس لیتے ہوئے چل رہی تھی اور حضرت یونس علیہ السلام ذکرِ الٰہی میں مشغول تھے یہاں تک کہ تری تک پہنچ کر مچھلی نے آپ کو اگل دیا۔[28] مچھلی نے آپ کو چاشت کے وقت نگلا تھا اور شام کے وقت اگلا۔[29]

---

(1) تفسیر بغوی، 4/33 (2) المنتظم، 1/395 (3) شرح الشفاء، 1/298 (4) المنتظم، 1/395 (5) تفسیر روح البیان، 5/516 (6) تاریخ ابن عساکر، 74/281 (7) تفسیر حسنات، 5/779 (8) تفسیر خازن، 2/335 (9) مسلم، ص90، حدیث: 420 (10) مراٰۃ المناجیح، 3/334 (11) تفسیر روح المعانی، جزء: 24، ص191 (12) تفسیر حسنات، 5/784 (13) قصص الانبیاء، ص366 (14) تاریخ ابن عساکر، 74/285 (15) الحاوی للفتاویٰ، 2/356 (16) تفسیر روح البیان، 5/226 (17) تفسیر خازن، 4/26 (18) حاشیہ صاوی، 5/1752 (19) تاریخ ابن عساکر، 74/284، 285 (20) تفسیر روح البیان، 7/487 (21) تفسیر روح البیان، 7/487، ملخصاً (22) تاریخ ابن عساکر، 74/285 (23) تفسیر قرطبی، 8/90، جزء: 15 (24) کتاب التوابین، ص28 (25) قصص الانبیاء، ص366 (26) تفسیر بغوی، 3/224 (27) تفسیر ابن کثیر، 7/34 (28) تفسیر روح المعانی، جزء: 24، ص193 (29) تفسیر بغوی، 4/37

شرح سلامِ رضا

بنتِ اشرف عطاریہ مدنیہ
ڈبل ایم اے (اردو، مطالعہ پاکستان)
گوجرہ منڈی بہاؤالدین

121

دُرِّ دُرجِ نجف مہرِ برجِ شرف
رنگِ روئے شہادت پہ لاکھوں سلام

مشکل الفاظ کے معانی **دُر:** موتی۔ **دُرج:** موتی رکھنے کی ڈبیا۔ **نجف:** عراق کا شہر۔ **مہر:** سورج۔ **بُرج:** آسمان کی ایک منزل۔ **رنگِ روئے:** چہرے کا رنگ۔

مفہومِ شعر عظمت وبزرگی کے وسیع آسمان کے چمکتے سورج اور شاہِ نجف یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شہزادے امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر لاکھوں سلام کہ جنہوں نے شہادت کا ایسا رنگ اپنے اوپر چڑھایا کہ سید الشہداء کے لقب سے سرفراز ہوئے۔

شرح راکبِ دوشِ مصطفےٰ امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت 5 شعبان المعظم 4 ہجری کو ہوئی۔[1] جبکہ آپ نے یومِ عاشورا یعنی 10 محرم الحرام 61ھ کو بروز جمعہ دینِ اسلام کی حفاظت کرتے ہوئے یزید پلید کے خلاف میدانِ کربلا میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بچپن ہی میں آپ کی شہادت کی خبر پھیل گئی تھی، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت جبریل امین علیہ السلام رسولِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھے، امام حسین رضی اللہ عنہ بھی حاضرِ بارگاہ تھے اور آپ کے سامنے کھیل رہے تھے۔ جبریل امین علیہ السلام نے عرض کی: آپ کی امّت آپ کے اس بیٹے کو شہید کردے گی۔ انہوں نے بارگاہِ رسالت میں مقامِ شہادت کی مٹی بھی پیش کی۔[2]

122

اہلِ اسلام کی مادرانِ شفیق
بانُوانِ طہارت پہ لاکھوں سلام

مشکل الفاظ کے معانی **مادر:** ماں۔ **بانوان:** خواتین۔

مفہومِ شعر تمام مسلمانوں پر شفقت ومہربانی کرنے والی مائیں یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی بیوی ہونے کا شرف پانے والی پاکیزہ خواتین پر لاکھوں سلام۔

شرح حضور کی پاک بیویوں کی خدمت میں درود وسلام پیش کیا جارہا ہے کہ وہ خواتین جنہوں نے حضور کی بیوی ہونے کا شرف پایا، ان کے متعلق ارشادِ ربانی ہے: وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْؕ (پ21، الاحزاب:6) ترجمہ: اور ان کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔ یعنی جن مقدس خواتین سے حضور نے نکاح فرمایا، چاہے حضور کے وصالِ ظاہری سے پہلے ان کا انتقال ہوا ہو یا حضور کے وصالِ ظاہری کے بعد انہوں نے وفات پائی ہو، یہ سب کی سب امت کی مائیں ہیں اور ہر امتی کے لیے اس کی حقیقی ماں سے بڑھ کر لائقِ تعظیم وواجبُ الاحترام ہیں۔[3] حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی مقدس بیویاں حُرمت میں مومنین کی مائیں ہیں اور مومنوں پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح ان کی مائیں حرام ہیں۔[4]

گیارہ مقدس بیویوں کی تعداد اور ان کے نکاحوں کی ترتیب کے بارے میں مؤرخین کا اتفاق ہے جن میں سے حضرت خدیجہ اور حضرت زینب بنتِ خزیمہ رضی اللہ عنہما کا حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے سامنے ہی انتقال ہوگیا تھا۔

123

جلوگیانِ بیتُ الشَّرَف پہ درود
پردگیانِ عِفَّت پہ لاکھوں سلام

مشکل الفاظ کے معانی **جلوگیان:** تشریف فرما۔ **پردگیان:** پردہ دار خواتین۔ **بیت الشرف:** بزرگی والا گھر۔

مفہوم شعر حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے گھر میں زندگی بسر کرنے والی خوش نصیب پردہ نشین اور عفت مآب خواتین پر بے شمار رحمتیں اور لاکھوں سلام۔

شرح جلوگیانِ بیت الشرف: حضور کی مقدس بیویاں جن گھروں میں رہتی تھیں ان کے آداب قرآن نے بیان فرمائے، ان کی پاکی قرآن میں نازل ہوئی، وہ صبح وشام محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا دیدار کرتیں۔ یہی وہ پاکیزہ ہستیاں ہیں جنہوں نے حضور کی خلوت و تنہائی اور گھریلو زندگی کے سنہرے احوال کو امت کے سامنے بیان کیا۔ قرآنِ پاک کی کئی آیات بھی ان کی بلند پایہ شان وعظمت کی گواہ ہیں، مثلاً سورۂ احزاب کی آیت نمبر 31 اور 32 کی تفسیر میں ہے: اے نبی کی بیبیو! اگر اوروں کو ایک نیکی پر دس گنا ثواب دیں گے تو تمہیں بیس گنا کیونکہ تمام جہان کی عورتوں میں تمہیں شرف و فضیلت ہے، اور تمہارے عمل میں بھی دو جہتیں ہیں ایک ادائے اطاعت، دوسرے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی رضا جوئی اور قناعت و حسنِ معاشرت کے ساتھ حضور کو خوشنود کرنا۔ تمہارا مرتبہ سب سے زیادہ ہے اور تمہارا اجر سب سے بڑھ کر، جہان کی عورتوں میں کوئی تمہاری ہمسر نہیں۔[5]

پردگیانِ عفت اسلام سے پہلے پاکیزگی و پاکدامنی کا کوئی تصور نہ تھا، اسلام نے عورتوں کی پاکدامنی و حفاظت کے پیشِ نظر انہیں پردے کا حکم دیا جس کا وسیلہ مقدس بیویاں بنیں۔ یوں تو یہ تمام ہی خواتین اعلیٰ درجے کی باحیا اور پردہ دار تھیں مگر ان میں سیدہ سودہ کا پردہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد آپ بلاضرورت گھر سے باہر نکلنا بھی پسند نہ فرماتیں، بلکہ ایک راوی فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! آپ گھر سے باہر نہ نکلیں یہاں تک کہ آپ کا جنازہ ہی گھر سے نکلا۔[6]

124

سیما پہلی ماں کہفِ امن و اماں
حق گزارِ رفاقت پہ لاکھوں سلام

مشکل الفاظ کے معانی **سیما:** بالخصوص۔ **کہف:** غار۔ **حق گزار:** حق ادا کرنے والی۔

مفہوم شعر حضور کی پہلی بیوی یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جنہوں نے لوگوں کی طرف سے ملنے والی اذیتوں کے مقابلے میں امن وامان کی جائے پناہ بن کر بیوی ہونے کا خوب حق ادا کیا، اس وفادار خاتونِ مصطفیٰ پر لاکھوں سلام۔

شرح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو مومنین کی سب سے پہلی ماں بننے کا شرف حاصل ہوا، حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان سے 25 سال کی عمر میں نکاح فرمایا جبکہ ان کی عمر 40 سال تھی اور جب تک یہ زندہ رہیں حضور نے دوسرا نکاح نہ فرمایا۔ حضور کی تمام اولاد سوائے حضرت ابراہیم کے انہی سے ہوئی۔

انہوں نے ہر مشکل وقت میں حضور کی راحت سامانی کی اور ہر طرح حضور کے دل و نگاہ کو ٹھنڈک پہنچائی۔ حضور بھی ان سے بے حد محبت فرماتے اور ان کی وفات کے بعد بھی ان کا کثرت سے ذکر فرمایا کرتے۔ ایک مرتبہ سیدہ عائشہ سے ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم! خدیجہ سے بہتر مجھے کوئی بیوی نہیں ملی۔ جب لوگوں نے میرے ساتھ کفر کیا وہ مجھ پر ایمان لائیں اور جب سب لوگ مجھے جھٹلا رہے تھے اس وقت انہوں نے میری تصدیق کی اور جس وقت کوئی شخص مجھے کوئی چیز دینے کے لئے تیار نہ تھا اس وقت خدیجہ نے مجھے اپنا سارا سامان دے دیا اور انہیں کے پیٹ سے اللہ پاک نے مجھے اولاد عطا فرمائی۔[7]

---

(1) اسد الغابہ، 2/26 (2) معجم کبیر، 3/108، حدیث: 2817 ماخوذاً (3) شرح زرقانی، 4/356، 357 (4) تفسیر در منثور، 6/566 (5) تفسیر خزائن العرفان، 780 (6) تفسیر در منثور، 6/600 (7) الاصابہ، 8/103

مدنی مذاکرہ

قربانی حکمِ خداوندی پر عمل کرنے کیلئے کی جاتی ہے

سوال ہم قربانی کیوں کرتے ہیں؟

جواب قربانی کا حکم اللہ پاک اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے دیا ہے اور یہ چند شرائط کے ساتھ مسلمان پر واجب ہوتی ہے اس لیے ہم قربانی کرتے ہیں اور ان شاء اللہ کرتے رہیں گے۔ اللہ پاک نے قربانی کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ ؕ (پ30، الکوثر:2) ترجمہ: تو تم اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ تو اس حکم خداوندی پر عمل کرنے کے لیے ہم قربانی کرتے ہیں۔ (اس موقع پر مدنی مذاکرے میں شریک مفتی صاحب نے فرمایا:) اس آیتِ مبارکہ میں بھی قربانی کا ذکر ہے: قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ (پ8، الانعام:162) ترجمہ: تم فرماؤ، بیشک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا ربّ ہے۔ اسی طرح جب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی بارگاہ میں صحابہ کرام نے عرض کی کہ یہ قربانیاں کیا ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سُنَّةُ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْم تمہارے باپ ابراہیم علیہ السّلام کا طریقہ کار ہے۔ ایک اور حدیثِ پاک میں ہے: جو قربانی کی وسعت رکھتا ہو اور قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے[1]۔[2]

قربانی کس پر واجب ہے؟

سوال قربانی کرنا کس پر واجب ہے؟

جواب 10 ذوالحجۃ الحرام کی صبحِ صادق سے لے کر 12 ذوالحجۃ الحرام کے غروبِ آفتاب تک کے درمیان اگر کوئی مسلمان عاقل، بالغ، مقیم اور صاحبِ نصاب ہو اور وہ نصاب اس کے قرض اور ضروریاتِ زندگی میں ڈوبا ہوا نہ ہو تو اس صورت میں قربانی واجب ہوگی۔[3]

کون سے دن قربانی کرنا افضل ہے؟

سوال عید کے کون سے دن قربانی کرنا افضل ہے؟

جواب عید کے تینوں دن قربانی کرنا جائز ہے، البتہ پہلے دن قربانی کرنا افضل ہے۔ عید کے پہلے دن عموماً قصّاب زیادہ پیسے لیتے ہیں تو بعض لوگ تھوڑے سے پیسے بچانے کے لیے افضل عمل کو چھوڑ کر عید کے دوسرے یا تیسرے دن قربانی کرتے ہیں۔ یوں چند پیسوں کی خاطر اتنا مہنگا جانور لانے کے باوجود پہلے دن قربانی کرنے کی فضیلت پانے سے خود کو محروم کرلیتے ہیں۔ پہلے دن قصّاب کا زیادہ رقم لینا اگرچہ نفس پر دشوار گزرتا ہے مگر ہمیں اپنا یوں ذہن بنانا چاہیے کہ جو نیک عمل نفس پر جتنا زیادہ گراں گزرتا ہے اس کا ثواب بھی اتنا ہی زیادہ عطا کیا جاتا ہے۔[4]

یاد رکھیے! عید الاضحیٰ کے دن جانور ذبح کرنے سے افضل کوئی عمل نہیں ہے۔ لہٰذا کوئی مجبوری نہ ہو تو پہلے دن ہی قربانی کی جائے اگرچہ کچھ رقم زیادہ خرچ ہوگی لیکن اس کو نقصان نہ سمجھا جائے بلکہ اس کے بدلے آخرت میں ملنے والے عظیم ثواب پر نظر رکھی جائے۔ اگر کسی کے گھر میں دوسرے تیسرے دن دعوت ہوتی ہے اس وجہ سے وہ پہلے دن قربانی نہیں کرتا تو اسے چاہیے کہ پہلے دن قربانی کرکے اس کا گوشت فریج میں رکھ دے اور اگلے دن دعوت میں استعمال کرلے کیونکہ ایک دو دن میں گوشت کے ذائقے میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ فقط لذّتِ نفس کے لیے پہلے دن قربانی کے عظیم ثواب سے

محروم ہو جانا دانش مندی نہیں بلکہ محرومی ہے۔ جس طرح تاجر مال کے نفع پر نظر رکھتا ہے اسی طرح ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ مال کے نفع سے زیادہ نیکیوں کے نفع پر نظر رکھے اور اس کے لیے کوشش بھی کرتا رہے۔[5]

قربانی کے جانور کی قیمت بتانا کیسا؟

سوال جب ہم قربانی کے لیے کوئی جانور مثلاً گائے یا بکرا خرید کر لاتے ہیں تو اکثر لوگ بار بار یہ سوال پوچھتے ہیں کہ کتنے کا لائے ہو؟ ایسی صورت میں قیمت بتانا مناسب ہے یا خاموشی اختیار کرنا کیونکہ قیمت بتانے میں اپنی بڑائی کا پہلو بھی نکلتا ہے کہ میں تو پچھتر ہزار 75000 کا لایا یا میں تو دو لاکھ 200000 کا لایا وغیرہ؟

جواب ظاہر ہے کہ اگر کوئی جانور کی قیمت پوچھے گا اور آپ اسے کہیں گے کہ میں نہیں بتاتا تو اس کا دل ٹوٹے گا اور اسے بُرا لگے گا اس لیے کوئی پوچھے تو قیمت بتا دیجیے۔ آپ کو بھی تو جانور لے کر گھومنے کا شوق ہے، جب آپ اپنا شوق پورا کر رہے ہیں، جانور کو لا کر اپنے دروازے کے آگے باندھ رہے ہیں، اسے پھولوں کے گجرے اور ہار ڈال رہے ہیں اور اسے سجا کر رکھ رہے ہیں تو جب اتنی نمائش آپ خود کروا ہی رہے ہیں تو پھر لوگ پوچھیں گے ہی کہ کتنے کا لیا ہے؟ اگر آپ جانور کی نمائش نہ کریں اور اسے چھپا کر رکھیں تو اتنے لوگوں کو پتا نہیں چلے گا اور پھر کم لوگ پوچھیں گے یا پھر یہ پوچھیں گے کہ آپ نے قربانی کے لیے جانور لیا ہے یا نہیں؟ اگر آپ ہاں بولیں گے تو پوچھیں گے: کتنے میں آیا؟ اور اگر بولیں گے: ابھی تک نہیں لیا، تو پوچھیں گے: کتنے تک لینے کا ارادہ ہے؟ بہر حال عوام نے پوچھنا ہی ہے۔ اب یہ پوچھنا بعض اوقات فضول ہوتا ہے اور بعض اوقات فضول نہیں بھی ہوتا جیسا کہ کوئی اس لیے پوچھ رہا ہے تاکہ اسے یہ پتا چل جائے کہ آج کل جانور کا کیا بھاؤ چل رہا ہے اور اس طرح کا جانور کتنے کا ملتا ہے؟ کیونکہ اس نے بھی جانور لینے کے لیے منڈی جانا ہے تو یہ اچھی نیت سے پوچھنا ہے اور اگر ویسے ہی پوچھتا ہے جیسا کہ لوگ تجسّس کے طور پر پوچھتے ہیں تو یہ فضول پوچھنا ہوا اور فضول باتوں سے بچنا اچھا ہے لیکن یہ پوچھنا اب بھی گناہ نہیں ہے لہٰذا اگر کسی نے آپ سے جانور کا بھاؤ پوچھ لیا تو آپ اس کا دل خوش کرنے کی نیت سے اسے صحیح صحیح بتا دیجیے اس کا دل خوش ہو جائے گا، نہیں بتائیں گے تو اس کا دل ٹوٹے گا البتہ پوچھنے والوں کو بھی چاہیے کہ وہ بلا ضرورت نہ پوچھیں۔[6]

کس جانور کی قربانی باعثِ فضیلت ہے؟

سوال میں نے دو دنبے پالے تھے اور میری نیت یہ تھی کہ میں ان کو بیچ کر بڑا جانور خریدوں گا لیکن اب میرا دل یہ کر رہا ہے کہ میں ان کو ہی ذبح کر دوں آپ میری راہ نمائی کیجیے کہ ان دونوں باتوں میں سے کون سی چیز میرے لیے بہتر ہے؟

جواب قربانی کے جانور کی نیت کے مسائل ہیں، غریب کے لیے الگ مسئلہ ہے اور مالدار کے لیے الگ۔ اگر ان جانوروں کی قربانی کی نیت نہیں کی تھی تو انہیں بیچنے میں حرج نہیں، آپ کی مرضی ہے ان کو بیچ کر بڑا جانور لیں یا نہ لیں۔ ہاں! اس میں بہتر کیا ہے تو اس حوالے سے عرض ہے کہ بندہ جو جانور خود پالتا ہے اس سے اُنسیت ہوتی ہے بلکہ بعض اوقات جانور سے اولاد کی طرح پیار ہو جاتا ہے، اسے ذبح کرنا نفس پر دشوار گزرتا ہے اور دل پر ایک صدمے کی کیفیت ہوتی ہے یوں اسی پالتو جانور کو ذبح کرنے میں زیادہ فضیلت نظر آ رہی ہے۔ اگر اسے بیچ دیا جائے گا تو یہ کیفیت نہیں ہوگی کہ نظروں سے اوجھل ہو گیا اب کٹے یا کچھ بھی ہو اتنا محسوس نہیں ہو گا۔ نیز اس کو بیچ کر دوسرا جانور لیا جائے تو اس سے زیادہ اُنسیت اور پیار نہیں ہو گا اور اس کو کاٹتے سے نفس پر اتنا بوجھ بھی نہیں ہو گا لہٰذا جو جانور خود پالا ہے اسی کو ذبح کرے۔[7]

---

1 مستدرک، 3/148، حدیث: 3519 2 ملفوظاتِ امیرِ اہلسنت، 2/262
3 ملفوظاتِ امیرِ اہلسنت، 1/126 4 تذکرۃ الاولیا، 1/95 5 ملفوظاتِ امیرِ اہلسنت، 1/128 6 ملفوظاتِ امیرِ اہلسنت، 3/63 7 ملفوظاتِ امیرِ اہلسنت، 3/79

بیٹیوں کو دین سکھائیں

اُمِّ میلاد عطاریہ*

اللہ پاک کے آخری نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کی ایک بیٹی ہو وہ اس کو ادب سکھائے اور اچھا ادب سکھائے اور اس کو تعلیم دے اور اچھی تعلیم دے اور اللہ پاک نے اس کو جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان نعمتوں میں سے اس کو بھی دے تو اس کی وہ بیٹی اس کے لئے دوزخ کی آگ سے سَتر اور حجاب (پردہ) ہو گی۔[1]

یقیناً وہ لوگ مذہبِ اسلام کی تعلیمات سے نابلد اور اس کی خوبیوں سے ناآشنا ہیں جو بیٹیوں کی تعلیم و تربیت کی کوتاہی کو اسلامی تعلیمات سے جوڑتے ہیں ان کے لئے یہ حدیثِ مبارکہ روشن دلیل ہونی چاہئے جس میں بیٹیوں کی تعلیم و تربیت کی ترغیب و تاکید موجود ہے۔ اسی طرح پیارے آقا صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کا فرمان ہے: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ یعنی علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔[2]

اس حدیث میں بھی مرد کی کوئی تخصیص نہیں ہے خواہ مرد ہو یا عورت دونوں کے لئے علمِ دین سیکھنا فرض ہے۔

اور یہاں علم سے ضَروری دینی علم مُراد ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے اسلامی عقائد کا سیکھنا فرض ہے، اس کے بعد نَماز کے فرائض و شرائط و مُفسِدات (یعنی نَماز کس طرح دُرُست ہوتی ہے اور کس طرح ٹوٹ جاتی ہے) پھر رَمَضانُ المُبارَک کی تشریف آوَری ہو تو جس پر روزے فرض ہوں اُس کیلئے روزوں کے ضَروری مسائل، جس پر زکوٰۃ فرض ہو اُس کے لئے زکوٰۃ کے ضَروری مسائل، اسی طرح حج فرض ہونے کی صورت میں حج کے، نکاح کرنا چاہے تو اس کے، تاجر کو تجارت کے، خریدار کو خریدنے کے، نوکری کرنے والے اور نوکر رکھنے والے کو اِجارے کے الغرض ہر مسلمان عاقِل و بالغ (Wise, Grownup) مرد و عورت پر اُس کی موجودہ حالت کے مطابِق مسئلے سیکھنا فرضِ عَین ہے۔

اِسی طرح ہر ایک کے لئے مسائلِ حلال و حرام سیکھنا بھی فرض ہے۔ نیز باطنی فرائض مثلاً عاجزی و اِخلاص اور توکُّل وغیرہا اور ان کو حاصِل کرنے کا طریقہ اور باطنی گناہ مثلاً تکبُّر، رِیاکاری، حسد، بدگمانی، بُغض و کینہ وغیرہا اور ان کا علاج سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ مُہلِکات یعنی ہَلاکت میں ڈالنے والی چیزوں جیسا کہ وعدہ خِلافی، جھوٹ، غیبت، چغلی، بہتان، بدنگاہی، دھوکا، ایذاءِ مسلم وغیرہ وغیرہ تمام صغیرہ و کبیرہ گناہوں کے بارے میں ضَروری احکام سیکھنا بھی فرض ہے تاکہ اِن سے بچا جا سکے۔[3]

جو لوگ ایک بیٹی کی تعلیم و تربیت میں کوتاہی کرتے ہیں درحقیقت وہ آنے والی نسل کی تعلیم و تربیت میں کوتاہی کرتے ہیں۔ اس ضرورت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ آج کی بیٹی اور کل کی ماں کی ایسی بھرپور دینی تربیت کی جائے کہ آنے والی نسل عشقِ رسول کے رنگ میں رنگ جائے۔ ماں کی گود چونکہ بچے کی پہلی درس گاہ ہوتی ہے لہٰذا ایک بیٹی کی صحیح معنوں میں دینی تربیت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ماں خود بھی ضروری علومِ دینیہ سے آگاہ ہو تاکہ وہ اپنی بیٹی کو ابتدائی عمر سے ہی توحید و رسالت کے متعلق راہنمائی فراہم کرتی رہے۔

لیکن آج کل کی مائیں بھی بے عملی اور اسلامی تعلیمات سے دوری کے رجحان کی وجہ سے اپنی اس اہم ذمہ داری کو سمجھنے اور اس کے تقاضے پورے کرنے سے قاصر ہیں۔ جبکہ اگر ہم اپنے دین کا علم حاصل کریں تو ہمیں پتا چلے گا کہ بچیوں کے حقوق میں اس بات کو شامل کیا گیا ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت کی جائے۔ اور اس پر بھی راہنمائی ملتی ہے کہ ان کو کس عمر میں کس طرح کی تعلیم و تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ 7 سے 9 سال کی عمر شرعی مسائل اور دینی تربیت کے لئے سب سے اہم ترین وقت ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ بچوں کو سات سال کی عمر سے نماز کا حکم دیا جائے۔[4] نرمی سے نماز کی طرف لائے، ہو سکے تو الارم وغیرہ کے ذریعے خود اُٹھنے کا عادی بنائیں، اوقاتِ نماز دیکھنا سکھائیں اور نقشۂ نماز اسے دلوائیں، ساتھ ساتھ نماز، سورۂ فاتحہ و دیگر سورتیں اور اذکارِ نماز (جو کچھ نماز میں تلاوت کے علاوہ پڑھا جاتا ہے وہ) بھی درجہ بہ درجہ (Gradually) سکھائیں۔ سات برس کی عمر میں نماز کا حکم دینے کے ساتھ ہی نماز اور طہارت کے ضروری مسائل بھی سکھائیں کہ سات سے نو برس کی عمر بچیوں کی تربیت کے تعلق سے بے حد اہم ہے کہ بچیاں اس کے بعد جلد بالغہ ہو جاتی ہیں۔ دس سال کی عمر میں اگر ضرورت پڑے تو سختی کے ساتھ بھی نماز کی پابندی کروائی جائے۔ نیز اس عمر سے بچیوں کو پردے کا ذہن دینا شروع کریں۔ مردوں، لڑکوں، Cousins سے الگ کرنا شروع کر دیں۔ اسی طرح اب مردوں سے قراٰن پاک اور دیگر تعلیم نہ دلوائیں کہ نو سال کی عمر کے بعد بچی بالغہ ہو سکتی ہے۔ اسی عمر میں آہستہ آہستہ بچے کی عقل کے مُطابق اسلامی عقائد بتائے جائیں۔ بچیوں کے اخلاق اچھے کرنے کے لئے مُہلکات (یعنی ہلاکت میں ڈالنے والی چیزوں مثلاً حرص و طمع، حُبِّ دُنیا، حُبِّ جاہ، رِیا، عجب، تکبُّر، خیانت، جھوٹ، ظُلم، غیبت، حسد، کینہ وغیرہ) کی خرابیاں بیان کرے، ہو سکے تو ایسی کہانیاں سنائے کہ ان چیزوں کی نفرت پیدا ہو اسی طرح مُنْجیات (یعنی نجات دلانے والی باتوں مثلاً توکل، قناعت، زُہد، اِخلاص، تواضع، اَمانت، صِدق، عدل، حیا وغیرہ) کی خوبیاں بیان کرے، ہو سکے تو ایسے واقعات سنائے کہ ان چیزوں کی محبّت پیدا ہو۔

پیارے آقا صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کا فرمان ہے: اپنی اولاد کو 3 باتیں سکھاؤ (۱) اپنے نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی مَحبّت (۲) اہلِ بیت علیہمُ الرّضوان کی مَحبّت اور (۳) تلاوتِ قراٰنِ کریم۔

ذکرِ مصطفےٰ چونکہ نورِ ایمان و سُرورِ جان ہے اس لئے ہمیں ایسے اسباب پیدا کرنے چاہئیں کہ جن کی بدولت بیٹیوں کے دل میں درودِ پاک اور نعت شریف پڑھنے اور سننے کا ذوق و شوق پیدا ہو جائے۔ حمد و نعت اور اولیائے کرام کی منقبت بچیوں کو سنائی جائیں تو ثواب بھی ملے گا اور بچیاں نعت بھی سیکھ جائیں گی۔ اس کے علاوہ صالحین و صالحات کے واقعات کہانیوں کی صورت میں سنانا بھی مفید ہے۔

تمام والدین پر لازم ہے کہ بیٹی کی پرورش کرنے میں قراٰن و سنّت کی مَحبّت اس کے سینے میں کوٹ کوٹ کر بھر دیں۔

اللہ پاک ہمیں اپنی بچیوں کو علمِ دین کے زیور سے آراستہ کرنے کا جذبہ عطا فرمائے۔

اٰمِیْن بِجَاہِ خَاتَمِ النَّبِیّٖن صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

(1) حلیۃ الاولیاء، 5/67، حدیث: 6348 (2) ابن ماجہ، 1/146، حدیث: 224 (3) نیکی کی دعوت، ص136، 137 ملخصاً (4) ابو داؤد، 1/208، حدیث: 495 (5) جامع صغیر للسیوطی، ص25، حدیث: 311۔

اسلامی بہنوں کے شرعی مسائل

مفتی فضیل رضا عطاری*

کیا رجعی طلاق عدت کے بعد تین طلاق میں بدل جاتی ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام طلاق کے متعلق درج ذیل مسائل کے بارے میں:

(1) کیا عورت کو ایک طلاق ہو جانے کے بعد بھی اس پر عدت لازم ہوتی ہے؟ جبکہ اولاد بھی موجود ہو اور طلاق واقع ہونے سے کافی عرصہ پہلے سے ہی عورت شوہر سے جھگڑ کر بذاتِ خود اپنے والدین کے گھر رہتی رہی ہو۔ نیز اس صورت میں عورت نفقے کی حق دار ہو گی یا نہیں؟

(2) اگر عورت کو ایک رجعی طلاق دی جائے اور شوہر قولی یا فعلی رجوع نہ کرے اور طلاق کی عدت گزر جائے، تو کیا عدت گزر جانے سے ایک طلاق تین طلاقوں میں تبدیل ہو جاتی ہے یا ایک ہی شمار میں رہتی ہے؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

(1) اگر شوہر اپنی مدخولہ بیوی کو ایک طلاق دے دے تو اس ایک طلاق کے بعد بھی عورت پر عدت لازم ہوتی ہے، کیونکہ نکاح یا شبہہ نکاح زائل ہونے کے بعد عورت کا نکاح سے ممنوع ہونا اور ایک زمانہ تک انتظار کرنا عدت کہلاتا ہے۔ اور یہ بات ایک طلاق کی صورت میں بھی پائی جاتی ہے۔ نیز نفقہ کے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر مطلقہ عورت دورانِ عدت شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے والدین کے گھر رہ رہی ہو اور شوہر کے گھر شرعی حدود و قیود کے ساتھ عدت گزارنے کے لئے راضی نہ ہو تو ایسی عورت شرعاً ناشزہ (نافرمان) ہے۔ شوہر پر ایسی عورت کی عدت کا نفقہ واجب نہیں ہے۔ البتہ اگر وہ واپس شوہر کے گھر میں آ کر عدت پوری کرنے لگے تو شوہر پر بقیہ عدت کا نفقہ دینا واجب ہو جائے گا۔

یاد رہے کہ اگر مطلقہ عورت شوہر کے ہاں عدت گزارنا چاہتی ہے لیکن شوہر خود ہی اپنی بیوی کو اپنے گھر عدت گزارنے نہیں دے رہا تو اس صورت میں شوہر پر عورت کی عدت کا نفقہ دینا واجب ہے، اگر نہیں دے گا تو گنہگار ہو گا۔

(2) ایک رجعی طلاق واقع ہو جانے کے بعد اگر دورانِ عدت شوہر قولی یا فعلی رجوع نہ کرے تو عدت گزرنے کے بعد وہ رجعی طلاق بائنہ میں تبدیل ہو جائے گی اور عورت شوہر کے نکاح سے نکل جائے گی، البتہ وہ طلاق شمار میں ایک ہی رہے گی، تین طلاقوں میں تبدیل نہیں ہو جائے گی۔ لہٰذا اگر شوہر اسی عورت سے اس کی رضامندی سے نئے مہر کے ساتھ تجدیدِ نکاح کرتا ہے تو اب شوہر کو صرف دو طلاقوں کا حق باقی رہے گا۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

دس ہزار بار یارحمٰن پڑھنے کی منت ماننا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا بیٹا بیمار تھا، تو میں نے منت مانی کہ اگر یہ ٹھیک ہو گیا تو دس ہزار بار **"یارحمٰن"** کا ورد کروں گی، اب الحمدُ لِلّٰہ بیٹا ٹھیک ہو گیا ہے، تو اس منت کو پورا کرنا لازم ہے یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

منت لازم ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ جس کام کی منت مانی، اس کی جنس میں سے کوئی فرض یا واجب ہو، جبکہ "یارحمٰن" کا ورد ایسا کام ہے جس کی جنس میں سے کوئی فرض یا واجب موجود نہیں ہے، لہٰذا پوچھی گئی صورت میں آپ پر دس ہزار بار "یارحمٰن" پڑھنا، شرعاً لازم نہیں ہے، نہ پڑھیں تو کوئی گناہ نہیں، مگر پڑھ لیں تو اچھا ہے کہ اجر و ثواب کا باعث ہے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

حبیبۂ حبیبِ خدا سیدہ عائشہ صدیقہ (قسط 1)

حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے 10 بعثتِ نبوی میں یکے بعد دیگرے حضرت سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو شرفِ زوجیت عطا فرمایا۔ اگرچہ اس میں علمائے کرام کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے کہ پہلے سیدہ سودہ کا نکاح ہوا یا سیدہ عائشہ کا۔ بہر حال اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نکاح شوال شریف کے مہینے میں ہوا اور بعدِ ہجرت نکاح سے تین سال بعد شوال ہی میں رخصتی ہوئی۔[1] یوں آپ کو سیدہ خدیجہ اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہما کے بعد سب سے زیادہ یعنی 9 سال اور 5 ماہ حضور کا ساتھ نصیب ہوا۔[2]

نکاح کے اسباب اور چند حکمتیں

سیدہ سودہ کی سیرت کے ضمن میں یہ روایت تفصیل سے بیان ہو چکی ہے کہ حضرت خدیجہ کے وصال کے بعد جب حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم غم سے نڈھال تھے تو حضور کے رضاعی بھائی کی زوجہ حضرت خولہ بنتِ حکیم نے حضور کو شادی کرنے کا مشورہ پیش کیا، چنانچہ حضور کی رضا پا کر جب وہ پیغامِ نکاح لے کر حضرت ابو بکر صدیق کے ہاں گئیں تو وہ گھر پر نہ تھے، ان کی بیوی اُمِّ رومان تو فوراً راضی ہو گئیں، مگر حضرت ابو بکر کی واپسی تک انتظار کرنے کا کہا۔

جب صدیقِ اکبر تشریف لائے تو یہ پیغام سن کر اگرچہ وہ بھی فوری راضی ہو گئے مگر دو وجوہات ایسی تھیں جن کی وجہ سے آپ نے فوری طور پر رضامندی کا اقرار نہ کیا، ایک تو یہ کہ اس وقت منہ بولے رشتوں کا بھی خون کے رشتوں کی طرح احترام ہوتا تھا، لہٰذا آپ نے چاہا کہ باقی لوگ بھی اس بات کو جان لیں کہ ان کی بیٹی سے حضور کا نکاح فرمانا مِن جانبِ اللہ ہے اور اسلام میں منہ بولے رشتوں سے شادی کرنا حرام نہیں، نیز کفارِ مکہ کو بھی اسلام کے خلاف مزید چہ میگوئیاں کرنے کا کوئی موقع نہ ملے۔ چنانچہ جب آپ نے سیدہ خولہ کی توجہ اس بات کی طرف دلائی کہ **عائشہ تو حضور کے بھائی کی بیٹی ہے، کیا یہ شادی جائز ہوگی؟** تو وہ بھی اس معاملے کی نزاکت کو سمجھ گئیں اور فوراً حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر ساری صورتِ حال عرض کی تو حضور نے ان کو یہ جواب ارشاد فرمایا کہ میں ان کا دینی بھائی ہوں، (ان کا سگا بھائی نہیں) لہٰذا ان کی بیٹی کا نکاح مجھ سے ہو سکتا ہے۔ جب حضرت خولہ نے واپس جا کر حضرت ابو بکر صدیق کو یہ بات بتائی تو اب انہوں نے دوسری بات کی طرف توجہ دی اور حضور کے پیغامِ نکاح کو قبول کرنے سے پہلے اس معاملے کو بھی حل کرنے چل پڑے اور سیدہ خولہ کو مزید کچھ دیر تک انتظار کرنے کے لئے کہا، تاکہ بعد میں کوئی اعتراض نہ کرے کہ صدیقِ اکبر نے اپنی بیٹی کے رشتے پر رشتہ کر دیا۔ کیونکہ حضور کے پیغامِ نکاح بھیجنے سے پہلے مُطعِم بن عدی اپنے بیٹے کے لئے سیدہ عائشہ کا رشتہ مانگ چکا تھا اور حضرت ابو بکر صدیق چونکہ کبھی اپنی بات سے نہ پھرتے تھے، لہٰذا آپ مُطعِم بن عدی سے اس رشتے کی پختگی کے حوالے سے بات چیت کرنے گئے تو اس وقت مُطعِم کی زوجہ

بھی اس کے پاس بیٹھی تھی، جس نے یہ کہتے ہوئے رشتہ توڑ دیا کہ اگر یہ شادی ہو گئی تو کہیں ہمارا بیٹا بھی اپنے آبائی دین سے ہاتھ نہ دھو بیٹھے، اس لئے ہمیں یہ رشتہ منظور نہیں۔ چنانچہ صدیقِ اکبر یہ سن کر واپس چل دیئے اور آتے ہی حضرت خولہ کو اپنا فیصلہ سنا دیا کہ جا کر حضور نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے عرض کر دیں کہ جب چاہیں آ کر نکاح فرما سکتے ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم تشریف لائے اور یہ بابرکت نکاح سرانجام پایا۔[3] ایک روایت کے مطابق جب سیدہ خدیجہ کے انتقال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم بہت غمگین رہنے لگے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آپ کا رنجیدہ رہنا دیکھا نہ گیا، لہٰذا اپنی لاڈلی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بارگاہِ رسالت میں لے کر حاضر ہوئے اور عرض کی: یارسولَ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم! یہ میری بیٹی ہے، آپ کا کچھ غم یہ دور کر دے گی کہ اس میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی خصلتیں موجود ہیں۔[4] اب اُمُّ المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ذاتِ بابرکات میں کیا کیا خصلتیں موجود تھیں اس کے لئے اسی سلسلے کی پچھلی قسطوں کا مطالعہ فرمائیے۔

بہر حال حضور نے سیدہ عائشہ کا رشتہ مانگا یا خود صدیق اکبر نے حاضرِ خدمت ہو کر حضور کو اپنی بیٹی سے نکاح کے لئے عرض کی ہو، ہر دو صورت میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہ کا نکاح حقیقت میں زمانۂ جاہلیت کی اس رسم کے خاتمے کی پہلی کڑی تھی کیونکہ اس زمانے میں لوگ منہ بولے رشتوں سے نکاح کو حرام جانتے تھے۔

شوال میں نکاح اہلِ عرب شوال کے مہینے میں نکاح یا رُخصتی منحوس جانتے تھے اور کہتے تھے کہ اس مہینے کا نکاح کامیاب نہیں ہوتا میاں بیوی کے دل نہیں ملتے۔[5] اس کی ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ پہلے زمانے میں شوال کے مہینے میں طاعون کی بیماری پھیلی تھی جس کے سبب لوگ اس مہینے میں شادی کو ناپسند کیا کرتے تھے۔[6] لیکن حبیبۂ حبیبِ خدا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ مہینا پسند تھا۔ آپ فرماتیں: حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے مجھ سے نکاح بھی شوال میں کیا اور زفاف بھی، تو آپ کی کون سی بیوی کو مجھ سے زیادہ قُرب نصیب تھا! آپ اپنے خاندان کی عورتوں کی رخصتی شوّال میں کرنا پسند فرماتی تھیں۔[7] مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مقصد یہ ہے کہ میرا تو نکاح بھی ماہِ شوال میں ہوا اور رخصتی بھی اور میں تمام ازواجِ مطہرات میں حضور کو زیادہ محبوبہ تھی۔ اگر یہ نکاح اور رخصت مبارک نہ ہوتے تو میں اتنی مقبول کیوں ہوتی! علما فرماتے ہیں: ماہِ شوال میں نکاح مستحب ہے۔[8]

حق مہر حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی مقدس بیویوں اور بیٹیوں کا حق مہر 500 درہم تھا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھی مہر میں تقریباً اتنی ہی رقم عطا ہوئی تھی۔ چنانچہ ہجرت کے بعد جب کفارِ مکہ کے ظلم و ستم وغیرہ سے ایک طرح کا سکون نصیب ہوا تو حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر سیدہ عائشہ کی رخصتی کے متعلق عرض کی تو حضور نے حق مہر کی ادائیگی کا عذر بیان کیا، اس پر صدیقِ اکبر نے فوراً ساڑھے بارہ اوقیہ یعنی کم و بیش پانچ سو درہم حضور کو تحفے کے طور پر پیش کیے، تاکہ حضور حق مہر ادا کر سکیں۔ اس کے بعد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہو گئی۔[9]

رخصتی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خود بیان فرماتی ہیں کہ ایک دن میری والدہ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا میرے پاس تشریف لائیں، اس وقت میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھی، انہوں نے مجھے پکارا تو مجھے پتا نہیں تھا کہ انہیں مجھ سے کیا کام ہے، انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے گھر کے دروازے کے پاس لا کھڑا کیا۔ میرا سانس پھول رہا تھا، پھر میں کچھ دیر میں ٹھیک ہو گئی۔ انصار کی کچھ خواتین جو گھر کے اندر موجود تھیں انہوں نے مجھے خیر و برکت کی دعا دے کر کہا: تمہارے نصیب اچھے ہوں۔ پھر میری والدہ نے مجھے ان کے حوالے کر دیا تو انہوں نے میرا سر دھویا اور مجھے سنوارا۔ پھر حضور ہمارے ہاں

تشریف لائے تو انہوں نے مجھے حضور کے حوالے کر دیا۔[10] جبکہ مسندِ امام احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت اسماء بنتِ عمیس رضی اللہُ عنہا فرماتی ہیں: مجھے حضرت عائشہ رضی اللہُ عنہا کی صحبت پانے اور انہیں بنا سنوار کر بارگاہِ رسالت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔[11]

ولیمہ سیدہ عائشہ فرماتی ہیں: حضور نے ولیمہ کے طور پر کوئی اونٹ یا بکری ذبح کر کے کھانا تیار نہ کیا، بلکہ دودھ کا ایک پیالہ تھا جو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہُ عنہ کے گھر سے آیا ہوا تھا۔ نیز اسماء بنتِ عمیس رضی اللہُ عنہا فرماتی ہیں: میں سیدہ عائشہ کے زفاف کے دن موجود تھی، خدا کی قسم! اس دن دودھ کے ایک پیالے کے علاوہ ولیمہ کا کوئی کھانا موجود نہ تھا، جس میں کچھ تو حضور صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے نوش فرمایا اور بقیہ سیدہ عائشہ کو دے دیا، وہ پیالہ لینے سے شرما رہی تھیں، میں نے کہا: حضور کی عطا کردہ چیز کو واپس مت کرو، بلکہ پی لو۔ تب انہوں نے شرماتے ہوئے پیالہ لے کر تھوڑا سا دودھ پی لیا۔[12]

سیدہ عائشہ انتخابِ الٰہی تھیں اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہُ عنہا کے بعد حضور نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے یکے بعد دیگرے دو خواتین سے شادی فرمائی اور یہ دونوں خواتین ایسی تھیں جن سے شادی کے آثار سیدہ خدیجہ کی زندگی میں ہی پیدا ہو گئے تھے اور اگر یوں کہا جائے کہ ان دونوں ہستیوں کا انتخاب اللہ پاک نے خود فرمایا تھا تو بے جا نہ ہو گا، کیونکہ ایک طرف سیدہ سودہ رضی اللہُ عنہا کو لگاتار تین دن تک ایسے خواب دکھائی دیئے جن کی تعبیر ان کے شوہر نے یہ بتائی کہ وہ جلد ہی اس جہانِ فانی سے کوچ کر جائیں گے اور ان کے بعد سیدہ سودہ کی شادی حضور نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم سے ہو گی۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ اسی دن حضرت سکران رضی اللہُ عنہ بیمار ہوئے اور چند دنوں کے بعد وفات پا گئے اور ان کے بعد حضور نے حضرت سودہ رضی اللہُ عنہا سے نکاح فرمالیا۔[13] جبکہ دوسری طرف سیدہ عائشہ سے نکاح کی خوشخبری براہِ راست حضور نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کو اللہ پاک نے عطا فرمائی۔ چنانچہ سیدہ عائشہ سے مروی ہے کہ حضور نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے ایک مرتبہ مجھ سے ارشاد فرمایا: تم مجھے تین رات خواب میں دکھائی گئیں۔ فرشتہ تمہیں ریشمی ٹکڑے میں لا کر مجھ سے کہتا کہ یہ آپ کی بیوی ہیں۔ میں نے تمہارے چہرے سے کپڑا ہٹایا تو تم تھیں۔ میں نے کہا: اگر یہ اللہ پاک کی طرف سے ہے تو اسے پورا فرمادے گا۔[14]

اس روایت کی وضاحت کرتے ہوئے مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کبھی تو خواب میں حضور (صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم) پر جنابِ عائشہ صدیقہ (رضی اللہُ عنہا) ریشمی ٹکڑے میں پیش کی جاتی تھیں، کبھی جبریل (علیہ السلام) کی ہتھیلی پر آپ کی صورت نقش کی جاتی تھی، ان دونوں واقعوں کا ذکر احادیث میں ہے یعنی حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہُ عنہا) رب کی طرف سے آپ کی زوجیت کے لیے منتخب ہیں۔ یہ آپ کے لیے رب کا تحفہ ہیں۔ سمجھ لو کہ رب کا تحفہ کس شان کا ہو گا![15]

ترمذی شریف کی حدیثِ پاک میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں کہ یہ دنیا میں بھی آپ کی بیوی ہیں اور آخرت میں بھی۔[16] نیز حضرت عبدُ اللہ بن عمر رضی اللہُ عنہما سے مروی روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا: میرے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور پیغام سنایا کہ اللہ پاک نے آپ کا نکاح عائشہ بنتِ ابو بکر (رضی اللہُ عنہا) سے فرما دیا ہے اور ان کے پاس حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہُ عنہا کی ایک تصویر بھی تھی۔[17]

(جاری ہے۔۔۔)

---

(1) سیرت سید الانبیاء، ص120 (2) تہذیب التہذیب، 4/298 (3) مسند امام احمد، 42/ 501، 502، حدیث: 25769 (4) ازالۃ الخفاء، 3/42 (5) مراۃ المناجیح، 5/32 (6) طبقات ابن سعد، 8/48 (7) مسلم، ص568، حدیث: 3483 (8) مراۃ المناجیح، 5/33 (9) مستدرک، 5/6، حدیث: 6773 (10) مسلم، ص567، حدیث: 3479 (11) مسند امام احمد، 45/64، حدیث: 27471 (12) مدارج النبوۃ فارسی، 2/70 (13) طبقات ابن سعد، 8/45 (14) مسلم، ص1016، حدیث: 6283 (15) مراۃ المناجیح، 8/498 (16) ترمذی، 5/470، حدیث: 3906 (17) شرح زرقانی، 4/387

اجمالی جائزہ

بنتِ افضل عطاریہ مدنیہ
معلمہ جامعۃ المدینہ گرلز زمان بہاولپور

علم ایک ایسی نعمت ہے جس کے فوائد و فضائل سے انکار ممکن نہیں۔ ہمارے دین نے علم کی اہمیت و فضیلت کو جس قدر بیان کیا ہے، دنیا کے کسی مذہب میں اس طرح بیان نہیں کیا گیا، یہی وجہ ہے کہ قرآن وحدیث میں کئی مقامات پر علم حاصل کرنے کی ترغیبات موجود ہیں۔ مثلاً کہیں اسے انبیائے کرام کی میراث قرار دیا، کہیں علم و حکمت سیکھنے والوں کے درجات کی بلندی کا اعلان فرمایا اور کہیں علم میں زیادتی کی دعاذ کر فرمائی۔ بلکہ ہر مسلمان پر بنیادی علوم کو حاصل کرنا فرض فرمایا جیسا کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا فرمان ہے: علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔[1]

علم کی چونکہ کئی اقسام ہیں، لٰہذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس علم کو روشنی قرار دیا گیا ہے اور کس علم سے بے خبری کو اندھیرا کہا گیا ہے۔ چنانچہ غور کریں تو ایسا علم صرف اور صرف علمِ دین ہی ہے کیونکہ ایک تو یہ سراپا خیر ہے اور دوسرا یہ کہ اس سے ہمیں اپنی ذات کی پہچان کے ساتھ اپنے مالک و خالق کی بھی پہچان حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ جسے دین کا علم حاصل ہو گویا اس کے پاس دو ایسی روحانی آنکھیں ہیں جن سے وہ حلال و حرام میں بآسانی فرق کر سکتا ہے، گمراہی اور رب کریم کی نافرمانی سے خود بھی بچتا ہے اور اس روشنی سے دوسروں کو بھی بچاتا ہے، اسی علم کو اخروی علم بھی کہا گیا ہے اور یہی وہ علم ہے جو انسان کو دنیا و آخرت دونوں جگہ رسوائی و ذلت سے نجات دلاتا ہے اور عزت و شوکت عطا کرتا ہے، جبکہ باقی تمام علوم کا نفع و فائدہ صرف دنیا تک ہی محدود رہتا ہے۔ اسی لیے اسلام نے اس علم کے سیکھنے کو عظیم عبادت اور قرآنِ کریم جس میں ہر شے کا علم ہے، اسے سیکھنے سکھانے والوں کو بہترین لوگ قرار دیا ہے۔ علمِ دین کی اہمیت حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے اس فرمان سے بھی خوب واضح ہو رہی ہے کہ آپ فرماتے ہیں: لوگوں کو کھانے اور پینے سے زیادہ علمِ دین کی ضرورت ہے۔ کیونکہ آدمی کو کھانے کی ضرورت تو دن میں ایک دو بار پڑتی ہے۔ جبکہ علم کی ضرورت سانسوں کی تعداد کے برابر ہے۔[2]

علمِ دین کے فضائل و برکات اگرچہ بہت زیادہ مروی ہیں، مگر اس کے متعلق اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ اسی علم کی برکت سے حضرت آدم علیہ السّلام فرشتوں سے افضل قرار دیئے گئے اور اسی علم کی وجہ سے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا گیا اور یہی وہ علم تھا جس کی برکت کی وجہ سے اللہ پاک نے انسان کو زمین میں اپنا خلیفہ و نائب مقرر فرمایا، لٰہذا مسلمانوں کا ازلی دشمن یعنی شیطان کب چاہے گا کہ وہ اس راستے پر چلیں جس کے ذریعے انہیں ربِّ کریم کی خوشنودی حاصل ہو۔ چنانچہ وہ اپنے ہرکاروں سمیت ہر وقت ہر سمت سے دینی طلبہ و طالبات پر مسلسل حملہ آور ہوتا رہتا ہے اور انہیں اُخروی سعادت سے محروم کروا دینے کو اپنی کامیابی تصور کرتا ہے۔ جیسا کہ ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت میں ہے: بعد نماز عَصر شیاطین سُمندر پر جمع ہوتے ہیں۔ ابلیس کا تخت بچھتا ہے، شیاطین کی کارگزاری پیش ہوتی

ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ اس نے اتنی شرابیں پلائیں، کوئی کہتا ہے: اس نے اتنے زِنا کرائے۔ سب کی سُنیں کسی نے کہا: اس نے آج فُلاں طالبِ علم کو پڑھنے سے باز رکھا۔ سنتے ہی تخت پر سے اُچھل پڑا اور اس کو گلے سے لگایا اور کہا: اَنْتَ اَنْتَ تو نے کام کیا، تو نے کام کیا۔ اور شیاطین یہ کیفیت دیکھ کر جل گئے کہ انہوں نے اتنے بڑے بڑے کام کیے ان کو کچھ نہ کہا اور اس کو اتنی شاباش دی! ابلیس بولا: تمہیں نہیں معلوم، جو کچھ تم نے کیا سب اسی کا صدقہ ہے۔ اگر علم ہوتا تو وہ گناہ نہ کرتے۔ (3)

معلوم ہوا شیطان کی سب سے پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کوئی اس راہِ عظیم کا مسافر نہ بن پائے اور اگر کوئی بننے میں کامیاب ہو بھی جائے تو یہ اسے مختلف حیلوں، بہانوں اور بُری عادات میں مبتلا کر کے علمِ دین کے ثمرات سے محروم کروانے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے طلبہ وطالبات کی ایک تعداد علمِ دین کے حصول میں ثابت قدم نہیں رہتی اور یوں وہ علمِ دین سے دوری اختیار کرنے لگتے ہیں۔

علمِ دین کے فضائل پڑھ یا سن کر انہیں پانے، اپنی قبر و آخرت کو بہتر بنانے، معاشرے سے جہالت کے اندھیروں کو ختم کرنے اور علمِ دین کی روشنی پھیلانے، نیز اپنی اور ساری دنیا کے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کے جذبے کے تحت کثیر طلبہ وطالبات دینی اداروں میں داخلے کے لئے تشریف لاتے ہیں، یہاں تک کہ بعض اداروں میں مزید داخلوں کی گنجائش ہی ختم ہو جاتی ہے، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جوں جوں درجات یعنی کلاسز بڑی ہوتی جاتی ہیں، شیطانی حربوں کا شکار ہو کر ہزاروں کی تعداد میں داخل ہونے والے ان طلبہ وطالبات کی تعداد آہستہ آہستہ گھٹنے لگتی ہے، پھر یہی تعداد سمٹ کر چند سو افراد پر محدود ہوتی ہے اور ایک قلیل تعداد کو ہی دورۂ حدیث مکمل کرنے کی سعادت ملتی ہے۔

زیرِ نظر سلسلے میں اِن شاءَ اللہ ان تمام اسباب ووجوہات اور رکاوٹوں کو جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی جن کی وجہ سے کثیر طلبہ و طالبات ابتدائی درجات سے ہی یا بعض درجات پڑھنے کے بعد علمِ دین کی برکتوں سے محرومی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مختصراً چند باتیں پیشِ خدمت ہیں:

☆اساتذہ کی بے ادبی و توہین کرنا ☆ان کی نقلیں اتارنا ☆ان کے نامناسب القابات رکھنا ☆ان سے زبان درازی کرنا ☆ان سے بداخلاقی سے پیش آنا ☆ان کی باتوں کو اہمیت نہ دینا ☆غیر ضروری اعتراضات وسوالات کرکے ان کو تنگ کرنا یا ان کی علمی صلاحیت کو جانچنا ☆ان کے احسانات بھلا دینا یا ان کا کوئی احسان ہی نہ ماننا بلکہ اپنی کامیابی کو اپنی محنت قرار دینا ☆آلاتِ علم یعنی کتاب اور قلم وغیرہ کا ادب نہ کرنا وغیرہ

اسی طرح ان امور کا بھی بخوبی جائزہ لیا جائے گا کہ اگر کوئی طالبِ علم ادارے کے نظم وضبط کی پابندی نہیں کرتا بلکہ ادارے میں اپنی من مانیاں کرتا ہے، ڈسپلن کو کوئی اہمیت نہیں دیتا، بلکہ کھلم کھلا ڈسپلن کی خلاف ورزی کرتا ہے، یہاں تک کہ دوسروں کو ادارے کی مخالفت پر اکسانے کا باعث بنتا ہے تو اس پر اس کی ان حرکتوں کا اثر کس قدر ہوتا ہے۔

اچھی عادات زندگی کے ہر میدان میں کامیابی کی نوید بنتی ہیں تو بُری عادات کی وجہ سے ناکامی وشرمساری کا منہ دیکھنا پڑتا ہے، لہٰذا ایسی بری عادات کا جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی جو شائقینِ علمِ دین کے لئے زہرِ قاتل اور حصولِ علمِ دین کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ مثلاً حبِ جاہ میں مبتلا ہو جانا، خود کو دوسروں سے افضل اور لائق فائق سمجھنا وغیرہ

ایسے تمام امور کا بھی جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی جن کا تعلق خالص تعلیمی اُمور سے ہے مثلاً محنت کے بغیر امتحان میں کامیابی کی امید لگانا، سینئرز سے پوچھنے میں جھجک محسوس کرنا اور جونیئرز کو بتانے میں بخل کرنا وغیرہ۔ (اس سلسلے کی باقی تفصیلات اگلی اقساط میں بتدریج پیش کی جائیں گی)

(1) ابن ماجہ، 1/146، حدیث: 224 (2) مدارج السالکین، 4/2647 (3) ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت، ص356

موجودہ فوڈ کلچر

اُمِّ سلمہ عطاریہ مدنیہ
ملیر کراچی

شیخ عبدُ الحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہِ علیہ فرماتے ہیں: حضرت بی بی اولیا رحمۃ اللہِ علیہا اپنے زمانے کی نیک خواتین میں سے تھیں، آپ 40 دن تک حجرے میں رہتیں اور دروازے بند کر لیا کرتیں، اپنے ساتھ 40 عدد لونگ لے جایا کرتیں اور جب باہر نکلتیں تو دیکھا جاتا کہ آپ نے صرف چند لونگ ہی کھائی ہیں اور باقی ویسے ہی بچی ہوئی ہیں۔[1]

اس سے اگرچہ یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہ ان بزرگ خاتون کی کرامت تھی مگر یہ بھی سیکھنے کو ملا کہ کھانوں سے آگے جہاں اور بھی ہیں! اس دنیا میں ہماری پیدائش کا مقصد مختلف اقسام کی ریسیپیز ٹرائی کرنا، کھانوں کی تیاری میں کئی کئی گھنٹے خرچ کرنا یا ہوٹلنگ میں پیسے اور وقت گنوانا نہیں، بلکہ عبادتِ الٰہی ہے، جیسا کہ ارشاد ہوا ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (۵۶) (پ27، الذّٰریٰت:56) ترجمہ: اور میں نے جن اور آدمی اسی لئے بنائے کہ میری عبادت کریں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اچھے کھانے کھانا گناہ نہیں، جبکہ حلال ہوں، لیکن اسی کو اپنا مقصدِ زندگی بنا لینا اور ہر وقت زبانی چٹخاروں کے لئے طرح طرح کے مُرغّن، چٹخارے و مصالحے دار اور بہت زیادہ میٹھے کھانے بناتے اور کھاتے ہوئے اس بات کی بھی پروا نہ کرنا کہ یہ صحت کے لئے مفید ہیں یا نہیں، بالکل غلط طریقہ ہے۔ اس کے سبب گھر کے بجٹ پر بھی بہت بُرا اثر پڑتا ہے کہ پہلے تو اس طرح کے کھانوں میں پیسے خرچ ہوتے ہیں، پھر بعد میں ان کے سبب پیدا ہونے والے امراض مثلاً کولیسٹرول، بلڈ پریشر، شوگر، بدہضمی، ہیضہ، السر، جگر کی خرابیاں، ہڈیوں کا بھربھرا پن، قبض، گیس، تیزابیت، اُلٹی، پیچش، موشن، بواسیر، یورک ایسڈ اور دل کی بیماریاں وغیرہ جسمانی صحت کو بُری طرح متاثر کرتی اور ڈاکٹروں کے دھکے کھلاتی ہیں مگر پھر بھی پیچھا نہیں چھوڑتیں بلکہ **مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی** کے مصداق ان میں کمی ہونے کے بجائے مزید اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے، نیز جتنی رقم اپنی صحت کو برباد کرنے میں خرچ کی ہوئی ہوتی ہے اس سے کئی گُنا زیادہ بیماریوں کے علاج وغیرہ پر لگ جاتی ہے۔

لہٰذا ہمیں چاہئے کہ **خوردن برائے زیستن نہ کہ زیستن برائے خوردن یعنی زندہ رہنے کے لئے کھاؤ، نہ کہ کھانے کے لئے زندہ رہو،** کے اصول کو سامنے رکھتے ہوئے سادہ اور صحت بخش غذائیں کھانے کی عادت بنائیں اور اپنے قیمتی وقت کو زبان کی عارضی لذات حاصل کرنے کے منصوبے بنانے وغیرہ ہی کی نذر نہ کریں، بلکہ عبادتِ الٰہی کے لئے بھی ضرور وقت نکالیں۔ مثلاً درست تجوید کے ساتھ قرآنِ کریم پڑھنا نہیں آتا تو جلد سے جلد اسے سیکھنے کا اہتمام کریں، فرض دینی علوم حاصل کرنے میں کوتاہی رہی ہے تو انہیں بھی فوراً سیکھ لیں تاکہ صحیح طریقے سے عبادات کر سکیں، دین سیکھ کر دوسروں تک پہنچائیں، دینی اجتماعات میں شرکت کریں اور بامقصد زندگی گزاریں۔

اللہ پاک بزرگ خواتین کے صدقے وطفیل ہمیں اپنا مقصدِ زندگی سمجھنے، اپنی صحت کی قدر کرنے اور اپنا قیمتی وقت عبادتِ الٰہی میں خرچ کرنے کی توفیق وسعادت نصیب فرمائے۔

اٰمین بِجاہِ النّبیِّ الْاَمین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم

---

[1] اخبار الاخیار، ص298

میرج ہالز اور شادی کارڈز

بنتِ منصور عطاریہ مدنیہ
سمن آباد لاہور

میرج ہالز شادی کی تاریخ مقرر کرنے کے بعد یا بعض جگہوں مثلاً بڑے شہروں میں تاریخ رکھنے سے بھی پہلے شادی کے انتظامات میں سب سے پہلا مرحلہ شادی گاہ کے انتخاب کا ہوتا ہے۔ پہلے زمانے میں تو گلی محلے کے ہی کسی میدان میں شادی کے لیے خیمے لگا لئے جاتے تھے پھر اس میں کچھ نیا پن آیا تو لوگ شادی کے لیے Lawn وغیرہ کا انتخاب کرنے لگے، اس میں چونکہ اسٹیج، ٹینٹ، کرسیاں، کھانے کی ٹیبلیں اور ڈیکوریشن وغیرہ سارے انتظامات خود کرنے پڑتے تھے اور شادی کی دیگر مصروفیات میں سے ان کاموں کے لیے وقت نکالنا ایک مشکل کام تھا، لہٰذا لوگوں کی آسانی کے لیے بعض افراد نے شادی ہالز میں یہ سب سروسز دینی شروع کر دیں اور اب ان کے پاس سارا سیٹ اپ ہر وقت تیار ہوتا ہے، بلکہ اب تو رفتہ رفتہ شادی ہالز میں بھی مزید ترقی ہو رہی ہے اور یہ اپنے اسٹینڈرڈز، جدید طرزِ تعمیر اور سہولیات کے اعتبار سے مختلف ناموں مثلاً Banquet Hall، Marquee اور Ballroom جانے جاتے ہیں جن کی بکنگ اپنی سہولتوں کے اعتبار سے عام شادی ہالز سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہیں۔ یوں ضرورت اور آسانی کے لیے بننے والے شادی ہالز اب شوق اور نمود و نمائش کا ذریعہ بن چکے ہیں جن پر فقط دو چار گھنٹوں کی تقریب کے لیے لاکھوں لاکھ روپے خرچ کر دیئے جاتے ہیں، نہ صرف یہ بلکہ مختلف ہالز کا سروے کرنے میں بھی مال اور وقت الگ خرچ ہوتا ہے۔ الغرض ہر کوئی بہتر سے بہترین ہال کی تلاش میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش میں ہے۔ یہ ٹرینڈ اتنا عام ہو چکا ہے کہ اب دیکھا دیکھی شادی کی دیگر تقاریب بھی انہی ہالز میں ہونے لگی ہیں، حالانکہ نکاح تو اعلانیہ طور پر مسجد میں ہونا مستحب ہے۔[1] جیسا کہ ایک روایت میں بھی ہے کہ نکاح کا اعلان کرو اور اسے مساجد میں کرو۔[2] چنانچہ مستحب یہ ہے کہ نکاح جمعہ کے دن بعد نمازِ جمعہ جامع مسجد میں تمام نمازیوں کے سامنے ہو تاکہ نکاح کا اعلان بھی ہو جائے اور ساتھ ہی جگہ اور وقت کی برکت بھی حاصل ہو جائے کہ نکاح عبادت ہے اور عبادت کے لئے عبادت خانہ یعنی مسجد موزوں (بہترین) ہے۔[3]

ان شادی ہالز کی نحوستوں میں سے یہ بھی ہے کہ بعض میں ساؤنڈ سسٹم، اسکرینیں اور رنگین فلیش لائٹس ہوتی ہیں، فحش اور گناہوں سے بھرپور مخلوط ماحول ہوتا ہے، دولہا دلہن کی پٹاخوں اور گانے باجوں کے ساتھ انٹری ہوتی ہے اور پورا ہال سیٹیوں اور تالیوں سے گونج رہا ہوتا ہے۔ ان بیہودہ کاموں کی نحوست نے بلاشبہ ایمان و غیرت کا جنازہ نکال دیا ہے۔ اگرچہ آج بھی بعض گھرانے ان میرج ہالز میں باقاعدہ پردے کا اہتمام کرواتے ہیں جس کے لئے تقریباً ان تمام ہالز میں خواتین و حضرات کے درمیان پارٹیشن کا اہتمام ہوتا ہے، جو وہ بکنگ کروانے والوں کے کہنے پر کر دیتے ہیں۔ مخلوط نظام کو ختم کرنے کا یہ ایک بہترین طریقہ ہے ہمیں بھی اس طریقے کو اپنا کر اپنی شادیوں سے بے پردگی کا خاتمہ کرنا چاہیے۔

شادی کارڈز شادی کی دعوت دینے کے لیے برسہا برس سے شادی کارڈز کا بھی ایک اہم سلسلہ چلا آ رہا ہے۔ لوگ شادی کے موقع پر بہت سارے کارڈز چھپواتے ہیں جن میں مہندی مایوں اور بارات و ولیمہ کے الگ الگ کارڈز ہوتے ہیں۔ بعض

لوگ شادی کارڈز کو اتنا اہم سمجھتے ہیں کہ دولہا دلہن اگر خود بھی کسی کو دعوت دیں تو ان سے بھی شادی کارڈ کا مطالبہ کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ بعض لوگ کارڈ نہ ملنے پر بُرا مناجاتے ہیں۔

آج کے دور میں ہر گزرتے دن کے ساتھ نت نئے ڈیزائن کے مہنگے مہنگے کارڈز مارکیٹ میں آرہے ہیں۔ مثلاً بعض کارڈ بادشاہی خطوط کی طرز پر پرانے دور کے اندازِ دعوت کی عکاسی کر رہے ہوتے ہیں تو بعض لکڑی کی کٹنگ والے خوبصورت کارڈز بھی دکھائی دے رہے ہیں اور اب تو Transparent plastic sheet پر بھی کارڈز چھپنے لگے ہیں۔ بلکہ مہنگائی کے اس دور میں شادی کارڈز کے نام پر ایک دوسرے سے بڑھ جانے کا مقابلہ ہونے لگا ہے اور اب وہ زمانے گئے جب ہزار، پانچ سو روپے میں سو کارڈز چھپا کرتے تھے، اب تو ایک ایک کارڈ کی قیمت سینکڑوں بلکہ ہزاروں میں ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ کام زبانی دعوت یا موبائل کے ذریعے بھی ہوسکتا ہے جس میں وقت اور پیسے دونوں کی بچت ہے اور شادی کارڈ شایانِ شان طریقے سے نہ ملنے پر ہونے والی ناراضیوں سے بھی کچھ حد تک بچا جاسکتا ہے۔ کیونکہ شادی کارڈز صرف وقت اور جگہ کی یاددہانی کے لئے رہ گئے ہیں، بعد میں یہ ردی ٹوکری یا بچوں کے کھلونوں کی نذر ہوجاتے ہیں۔ کوئی بھی انہیں سجاکر یا فریم بناکر نہیں رکھتا، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ خود ہی ایک اچھا سا کارڈ کسی ایپ سے تیار کرلیں یا کروالیں اور اسے واٹس ایپ کے ذریعے لوگوں میں تقسیم کردیں۔ جو لوگ خواہ مخواہ کارڈ کی ضد کرتے ہیں اور یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ کارڈ ملے گا تو ہی شرکت کریں گے! انہیں سوچنا چاہئے کہ کیا ضرورت پڑی ہے کسی کو بے جا خرچ پر مجبور کرنے کی! یاد رکھیے! مسلمان کو نقصان و تکلیف نہیں پہنچانی چاہیے، چنانچہ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کتے اور سؤر کو بھی ناحق تکلیف دینا حلال نہیں تو مؤمنین و مومنات کو تکلیف دینا کس قدر بدترین جرم ہے![4] ہمیں چاہئے کہ ہم دوسروں کے لیے راحت و آسانی کا سبب بنیں نہ کہ انہیں تکلیف میں ڈالیں۔

کارڈ پر مقدس نام اور بسم اللہ لکھنا بے شک مسلمانوں کی یہ اچھی عادت ہے کہ وہ شادی کارڈز پر برکت کے لئے بسم اللہ شریف لکھواتے ہیں کہ ایک روایت میں ہے: جو بھی اہم کام بسم اللہ شریف کے ساتھ شروع نہیں کیا جاتا وہ ادھورا رہ جاتا ہے۔[5] اگرچہ یہ کام تو اچھا ہے مگر اس میں ایک توجہ طلب بات یہ ہے کہ یوں تو ہر مسلمان قرآنِ پاک اور اللہ پاک کے نام کا خوب ادب کرتا ہے، مگر شادی کارڈز کے متعلق نہ جانے اتنی غفلت کیوں ہو جاتی ہے! ہم جس نام کی تعظیم کی بچوں کو ترغیب دلاتی ہیں ایسے موقع پر خود ہی ان کے ادب کا لحاظ نہیں رکھتیں! کبھی ان کو زمین پر رکھ دیتی ہیں تو کبھی ردی میں ڈال دیتی ہیں، بہت کم خوش نصیب ان کو اوراقِ مقدسہ میں ڈالتی ہوں گی!

ہمارے بزرگ اس معاملے میں بہت احتیاط فرماتے تھے، چنانچہ ایک روز اعلیٰ حضرت کے بھتیجے مولانا حسنین رضا خان صاحب اعلیٰ حضرت کو فتویٰ طلب کرنے والوں کی طرف سے پوچھے گئے کچھ سوالات سنا رہے تھے اور جوابات لکھ رہے تھے۔ ایک کارڈ پر لفظ اللہ لکھا گیا۔ اس پر اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا: یاد رکھو کہ میں کبھی تین چیزیں کارڈ پر نہیں لکھتا: (1) اسمِ جلالت یعنی اللہ (2) محمد اور احمد اور (3) نہ کوئی آیتِ کریمہ مثلاً اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم لکھنا ہے تو یوں لکھتا ہوں: حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام یا اسمِ جلالت یعنی اللہ لکھنا ہو تو اس کی جگہ مولیٰ تعالیٰ لکھتا ہوں۔ یعنی اچھے عمل کے ترک کی جگہ احتیاط کا دامن تھاما ہے۔[6] چنانچہ،

ہمیں بھی اس معاملے میں احتیاط کرنی چاہئے۔ اللہ پاک ہمیں باادب بننا نصیب فرمائے اور قناعت پسند بنائے۔

اٰمین بِجاہِ النّبیِّ الْاَمین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم

---

(1) در مختار، 4/75 (2) ترمذی، 2/347، حدیث: 1091 (3) مراۃ المناجیح، 5/39
(4) تفسیر نسفی، ص950 (5) در منثور، 1/26 (6) ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت، ص173

خوش کلامی

اُمِّ انس عطاریہ
رکن انٹرنیشنل افیئرز ڈیپارٹمنٹ

خوش کلامی کا مطلب ہے اپنی گفتگو میں ایسے الفاظ کا انتخاب کرنا اور ایسا لہجہ اپنانا کہ مخاطب کا دل خوش ہو جائے۔ خوش کلامی میں الفاظ اور لہجہ دونوں کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ عموماً پھل، چائے یا دیگر مشروبات ہمیں تب ہی اچھے لگتے ہیں جب میٹھے ہوں، پھل اگر کڑوا یا پھیکا ہو تو طبیعت ہی بے مزہ ہو جاتی ہے، اسی طرح میٹھی زبان، میٹھا کلام اور ٹھنڈا لہجہ ہی سب کو پسند آتا ہے۔ لہجہ نرم ہو اور الفاظ نفیس ہوں تو چاہے بات کڑوی ہی کیوں نہ ہو مخاطب متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ جیسا کہ ایک بادشاہ نے خواب دیکھا کہ اس کے سارے دانت گر گئے ہیں۔ چنانچہ خواب کی تعبیر جاننے والے کو بلایا اور خواب کی تعبیر پوچھی تو اس نے جواب دیا: بادشاہ سلامت! آپ کا سارا خاندان آپ کے سامنے ہی وفات پا جائے گا اور آپ اکیلے رہ جائیں گے۔ بادشاہ کو یہ تعبیر پسند نہ آئی اور اس نے تعبیر بتانے والے کو قتل کروا دیا۔ پھر دوسرے کو بلایا گیا، وہ پہلے والے کا حشر دیکھ چکا تھا، لہٰذا اس نے بڑے محتاط الفاظ کے ساتھ یوں تعبیر بیان کی کہ بادشاہ کا اقبال بلند ہو! بہت اچھی تعبیر ہے، بادشاہ سلامت کی عمر اپنے تمام رشتہ داروں کی عمر سے بڑی ہوگی۔ بادشاہ کو یہ تعبیر بہت پسند آئی اور اسے انعام و اکرام سے نوازا۔

بدکلامی ایک غیر فطری عمل ہے اور خوش کلامی انسان کی فطرت میں شامل، یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی انسان اگرچہ کتنا ہی بداخلاق اور بدکلام کیوں نہ ہو مگر وہ بدکلامی کو پسند نہیں کرتا، بلکہ یہ چاہتا ہے کہ اس سے نرم لہجے میں بات کی جائے اور خوش اخلاقی سے پیش آیا جائے۔ تاریخ گواہ ہے کہ بدکلامی نے کبھی کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا، البتہ خوش کلامی سخت سے سخت دلوں کو موم کر دیتی ہے۔ کہیں پر بڑا خوبصورت جملہ لکھا تھا کہ **دل برائے فروخت، قیمت ایک میٹھا بول!** یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان خوش کلامی کے ذریعے لوگوں کے دلوں کو مائل کر لیتا ہے، بالخصوص تبلیغِ دین میں خوش کلامی بے حد مؤثر ثابت ہوتی ہے۔

خوش کلامی کی برکت خراسان کے ایک بزرگ کو خواب میں حکم ہوا کہ تاتاری قوم میں اسلام کی دعوت پیش کریں۔ اس وقت ہلاکو خان کا بیٹا تگودار خان حکمران تھا۔ وہ بزرگ سفر کر کے تگودار خان کے پاس تشریف لائے۔ ان کا سنتوں بھرا حلیہ اور داڑھی دیکھ کر اسے مذاق سوجھا اور کہنے لگا: یہ تو بتاؤ تمہاری داڑھی کے بال اچھے یا میرے کتے کی دم؟ بات اگرچہ غصّہ دلانے والی تھی مگر چونکہ وہ ایک سمجھ دار مبلغ تھے لہٰذا نہایت نرمی کے ساتھ فرمانے لگے: میں بھی اپنے خالق و مالک کا کتا ہوں۔ اگر جاں نثاری اور وفاداری سے اسے خوش کرنے میں کامیاب ہو جاؤں تو میں اچھا ورنہ آپ کے کتے کی دم مجھ سے اچھی ہے، جبکہ وہ آپ کا فرمانبردار و وفادار رہے۔ چونکہ وہ ایک باعمل مبلغ تھے، اپنی زبان ذکر اللہ سے ہمیشہ تر رکھتے تھے لہٰذا ان کی زبان سے نکلے ہوئے میٹھے بول تاثیر کا تیر بن کر تگودار خان کے دل میں پیوست ہو گئے کہ جب اس نے اپنے زہریلے کانٹے کے جواب میں ان کی طرف سے خوشبودار پھول پایا تو پانی پانی ہو گیا اور نرمی سے بولا: آپ میرے مہمان ہیں میرے ہی یہاں قیام فرمائیے۔ چنانچہ آپ اس کے پاس ٹھہر گئے۔ تگودار خان روزانہ رات آپ کی

خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ نہایت ہی شفقت کے ساتھ اسے نیکی کی دعوت پیش کرتے۔ آپ کی مسلسل کوششوں نے تگودار خان کے دل میں اسلام کی محبت پیدا کر دی! وہی تگودار خان جو کل تک اسلام کا دشمن تھا آج اسلام کا شیدائی بن کر اپنی پوری تاتاری قوم سمیت مسلمان ہو گیا اور اس کا اسلامی نام احمد رکھا گیا۔ یوں ایک مبلغ کے میٹھے بول کی برکت سے وسطِ ایشیا کی خونخوار تاتاری سلطنت اسلامی حکومت سے بدل گئی۔ [1] کسی نے سچ ہی کہا ہے:

ہے فلاح وکامرانی نرمی وآسانی میں

ہر بنا کام بگڑ جاتا ہے نادانی میں

سرکارِ دوعالم کی خوش کلامی خوش کلامی درحقیقت حسنِ اخلاق ہی کی شاخ ہے۔ جس کے اخلاق بلند ہوں وہ لازماً خوش کلام بھی ہو گی، تو اس ذات کی خوش کلامی کا عالم کیا ہو گا جس کو قرآنِ مجید نے صاحبِ خُلق عظیم فرمایا، پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا کلام تو ایسا بے مثال تھا کہ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

میں نثار تیرے کلام پر ملی یوں تو کس کو زباں نہیں

وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں

حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے لفظوں کی مٹھاس اور لہجے کی نفاست بیان کرتے ہوئے حضرت اُمّ معبد رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب حضور خاموش ہوتے تو پُروقار ہوتے اور جب گفتگو فرماتے تو چہرۂ اقدس پُرنور اور بارونق ہوتا۔ گفتگو میٹھی ہوتی، بے فائدہ ہوتی نہ بیہودہ۔ آپ کی گفتگو گویا موتیوں کی لڑی ہوتی، جس سے موتی جھڑ رہے ہوتے۔ [2]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو اللہ پاک نے حکمتِ کاملہ عطا فرمائی، تبلیغِ دین اور اصلاحِ انسانیت کے لیے ایسا نرم اور شفقت بھرا انداز اپنایا جس کی کوئی مثال نہیں۔ اگر کوئی نماز یا دیگر کسی بھی معاملے میں علم نہ ہونے کی وجہ سے کوئی غلطی کر بیٹھتا تو کریم و شفیق آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نرمی و شفقت سے اصلاح فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں حضور کی اقتدا میں نماز پڑھ رہا تھا، اتنے میں کسی کو چھینک آئی، میں نے نماز میں ہی یَرْحَمُكَ الله کہہ دیا، لوگ مجھے نظروں سے گھورنے لگے، میں نے کہا: تمہیں کیا ہوا؟ مجھے کیوں دیکھ رہے ہو؟ اس پر لوگ اپنی رانوں پر ہاتھ مارتے ہوئے مجھے چپ کروانے لگے، میں خاموش ہو گیا۔ نماز مکمل ہو گئی تو حضور نے مجھے بلایا، حضور پر میرے ماں باپ فدا! میں نے آپ سے زیادہ اچھے انداز میں سکھانے والا کوئی نہ دیکھا، آپ نے مجھے مارا نہ بُرا بھلا کہا، بلکہ فرمایا: یہ جو نماز ہے، اس میں لوگوں کی گفتگو والی کوئی چیز درست نہیں ہوتی، نماز تو تسبیح، تکبیر اور تلاوت کا نام ہے۔ [3]

ان الفاظ اور واقعات کو پڑھ کر ایک نظر ہم اپنی گفتگو پر ڈالیں تو بہت سی خامیاں نظر آئیں گی۔ گھر میں ماں کی بچوں سے گفتگو اور سمجھانے کا انداز اگر میٹھا ہو، الفاظ خوبصورت اور لہجہ نفیس ہو تو بچہ ضرور بات مانے گا۔ جو مائیں ڈانٹ ڈپٹ کرتی ہیں ان کے بچے زیادہ ہی شرارتی ہوتے ہیں۔ گھر میں والد ہو یا والدہ، اولاد، بہن بھائی ہوں یا شوہر، اگر خوش کلامی سیکھ لی جائے تو معاشرے کا حال ہی بدل جائے، ساس بہو کا جھگڑا اور نند بھاوج کی چپقلش ختم ہو جائے۔ بات اچھی اور انداز خوبصورت ہو تو بگڑے کام سنور سکتے ہیں۔ فی زمانہ اس کا عملی نمونہ دیکھنا چاہتی ہیں تو امیرِ اہلِ سنت کا انداز گفتگو دیکھئے، بڑی بڑی بات بہت آسان انداز میں مسکراتے ہوئے اس طرح کرتے ہیں کہ دل میں اترنے لگتی ہے اور دل چاہتا ہے گفتگو سنتی ہی چلی جائیں، آپ کے نکھارے ہوئے مبلغین اور مبلغات نے اپنی خوش کلامی سے کتنوں کو سنوار دیا، ہم بھی چاہیں تو خوش کلامی سیکھ کر دوسروں کے دل میں اتر سکتی ہیں۔ اللہ پاک ہماری زبان کو مٹھاس عطا فرمائے اور خوش کلامی کو اپنا زیور بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمین بِجاہِ النّبیِّ الاَمین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم

---

1 غیبت کی تباہ کاریاں، ص 154 2 مستدرک، 3/544، حدیث: 4333 3 مسلم، ص 215، حدیث: 1199

شعبہ ماہنامہ خواتین

تلخ کلامی

کسی انسان کے ساتھ سخت الفاظ اور جارحانہ انداز میں گفتگو کرنا، اس کو ڈانٹنا، جھڑکنا، اس پر طنز کرنا یا کسی بھی طرح الفاظ کے تیر برسانا تلخ کلامی و بدکلامی کہلاتا ہے۔ تلخ کلامی ایک ایسا تیر ہے جس کا زخم بہت گہرا ہوتا ہے۔ تلوار کا زخم تو بھر جاتا ہے مگر تلخ کلامی کے ذریعے دیا جانے والا زخم اتنی آسانی سے نہیں بھرتا۔ لہٰذا کسی پر لفظوں کے تیر چلانے سے پہلے پل بھر یہ ضرور سوچ لینا چاہیے کہ اگر الفاظ کے ان تیروں کا رخ آپ کی طرف ہوتا تو آپ پر اس کا کتنا اثر ہوتا۔

یاد رکھیے! حقوق العباد میں سے یہ بھی ہے کہ انسان دوسرے مسلمان سے نرم گفتگو کرے اور اپنی زبان اور ہاتھ سے اسے کسی صورت بھی تکلیف نہ پہنچائے۔ اللہ پاک کے آخری نبی، محمدِ عربی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا فرمانِ عالی شان ہے: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ [1]

بعض لوگ صرف اس لیے بھی لوگوں کو پسند نہیں ہوتے کہ وہ بغیر سوچے سمجھے بولنے کے عادی ہوتے ہیں، جو جی میں آئے بول دیتے ہیں، صحیح بات بھی بولیں تو اتنی تلخی سے کہ سامنے والا تلخ کلامی کی وجہ سے ماننے والی بات بھی نہیں مانتا جبکہ وہی بات اگر اچھے انداز میں بولی جائے تو سامنے والا خوشی سے تسلیم کرے۔ امیرِ اہلِ سنت اکثر فرماتے ہیں: جو کام نرمی سے ہوتا ہے وہ گرمی سے نہیں ہو سکتا۔ نرمی دلوں کو جیت لیتی ہے چاہے وہ گفتگو میں ہو یا معاملات میں، نرمی دل جیتنے کا بہترین نسخہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ کوئی سامان لینے بازار جاتے ہیں تو ان کی مطلوبہ چیز اگرچہ بہت ساری دکانوں پر دستیاب ہوتی ہے مگر وہ اسی دکاندار سے چیز لینا پسند کرتے ہیں جس کا برتاؤ اور بات چیت کا انداز اچھا ہو، اس کے برعکس اس دکان پر جانا کوئی پسند نہیں کرتا جہاں غیر مہذب رویے اور تلخ کلامی کا سامنا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ خوش اخلاق اور خوش کلام دکاندار نے اپنی مہذب باتوں اور خوش کلامی سے اپنے گاہک کا دل جیت لیا اور صرف خریدار کا دل ہی خوش نہیں ہوا بلکہ اس کی تجارت کو بھی فائدہ پہنچا وہ بھی بغیر پیسہ خرچ کیے۔ جبکہ بدکلام دکاندار اپنی تلخ کلامی اور کڑوے لہجے کی وجہ سے اپنے کاروبار کو ہی نقصان پہنچاتا ہے کہ لوگ تو کسی اور دکان سے بھی یہ چیز لے سکتے ہیں پھر اس کی تلخ باتیں کیوں برداشت کریں! مشہور مقولہ ہے کہ میٹھی زبان والے کی مرچیں بھی بک جاتی ہیں جبکہ کڑوی زبان والے کا شہد بھی نہیں بکتا۔

حدیثِ مبارک میں ہے: اللہ پاک اس پر رحم فرمائے جو بیچے تو نرمی کرے، خریدے تو نرمی کرے اور جب اپنے حق کا تقاضا کرے تب بھی نرمی کرے۔ [2] لہٰذا ہر ایک کو گفتگو میں نرمی اختیار کرنی چاہیے خصوصاً نیکی کی دعوت دینے والوں کو، کہ جب تک شریعت واجب نہ کرے نیکی کی دعوت کا انداز نرمی والا ہو۔ نرم اور محبت بھرے انداز سے دی جانے والی نیکی کی دعوت تلخ اور ڈانٹ ڈپٹ والے انداز سے زیادہ پُر اثر ہوتی ہے۔ اللہ پاک نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون جیسے ظالم کافر کو بھی ابتداءً نرمی سے نصیحت فرمانے کا حکم کچھ یوں ارشاد فرمایا: فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰى ﴿۴۴﴾

(پ16،طٰہٰ:44)ترجمہ:تو تم اس سے نرم بات کہنا اس امید پر کہ شاید وہ نصیحت قبول کرلے یا ڈر جائے۔

زبان بظاہر ایک چھوٹا سا عضو ہے مگر نہایت اہمیت کی حامل ہے کہ اگر اس کی نگرانی نہ کی جائے اور قینچی کی طرح چلاتے رہیں تو یہ نہ جانے کتنے لوگوں کو آپ سے دور کر دے گی۔ تلخ کلامی اور بلند آواز لوگوں کو ناپسند ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ و رسول کو بھی ناپسند ہے۔ ارشاد باری ہے: اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ۠(۱۹) (پ21،لقمٰن:19)ترجمہ:بیشک سب سے بُری آواز گدھے کی آواز ہے۔

تفسیر خزائن العرفان میں ہے: "مُدّعیٰ یہ ہے کہ شور مچانا اور آواز بلند کرنا مکروہ و ناپسندیدہ ہے اور اس میں کچھ فضیلت نہیں ہے، گدھے کی آواز باوجود بلند ہونے کے مکروہ اور وحشت انگیز ہے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو نرم آواز سے کلام کرنا پسند تھا اور سخت آواز سے بولنے کو ناپسند رکھتے تھے۔"[3] حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے کبھی کسی سے اپنی ذات کے لیے تلخ کلامی فرمائی نہ کسی کو ڈانٹا، آپ کے خادمِ خاص حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے دس سال تک سفر و حضر میں حضور کی خدمت کا شرف حاصل کیا مگر کبھی بھی حضور نے مجھے ڈانٹا نہ جھڑکا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے فلاں کام کیوں کیا اور فلاں کام کیوں نہیں کیا؟[4]

پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم تو لوگوں کی بڑی سے بڑی خطاؤں کو معاف کرتے اور ان کی پکڑ نہ فرماتے۔ چنانچہ

حضرت ابو الحمساء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اعلانِ نبوت سے پہلے میں نے حضور سے کچھ سامان خریدا اسی سلسلے میں آپ کی کچھ رقم میرے ذمے باقی رہ گئی، میں نے عرض کی: آپ ٹھہریئے! میں ابھی گھر سے رقم لاکر اسی جگہ پر آپ کو دیتا ہوں۔ حضور نے اسی جگہ ٹھہرے رہنے کا وعدہ فرمالیا مگر میں گھر آکر اپنا وعدہ بھول گیا پھر تین دن کے بعد مجھے جب خیال آیا تو رقم لے کر اسی جگہ پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضور اُسی جگہ ٹھہرے ہوئے میرا انتظار فرما رہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر آپ کے ماتھے پر ذرا بھی بل آیا نہ آپ نے مجھے ڈانٹا بلکہ اس کے سوا آپ نے اور کچھ نہ فرمایا کہ اے نوجوان! تم نے تو مجھے تکلیف میں ڈال دیا کیونکہ میں اپنے وعدے کے مطابق تین دن سے یہاں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔[5]

پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کیسے کریم ہیں کہ اپنے غلام کے اتنے بڑے قصور پر بھی آپ نے تلخ کلامی فرمائی نہ ڈانٹا اور ایک ہم ہیں کہ کسی سے ذرا بھی کوئی خطا یا ہمارے مزاج کے خلاف کوئی حرکت ہو جائے تو فوراً تلخ کلامی اور ڈانٹ ڈپٹ پر اتر آتے ہیں اور بالخصوص غلطی کرنے والی اگر ہماری کوئی ماتحت ہو تو پھر اپنے منصب کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سب کے سامنے خوب کھری کھری سنا دیتی ہیں۔

تلخ کلامی کے نقصانات تلخ کلامی کی عادت نکالنے کے لیے اس کے نقصانات پر غور کرنا چاہیے جو کہ بہت زیادہ ہیں، مثلاً تلخ کلامی کرنے والی سے سب دور بھاگتی ہیں۔ تلخ کلامی کی وجہ سے آسان کام بھی مشکل ہو جاتے ہیں۔ اس کی وجہ سے میاں بیوی کے تعلقات خراب ہوتے ہیں یہاں تک کہ بہت زیادہ تلخ کلامی اور روز روز کی نوک جھونک کی وجہ سے بسا اوقات طلاق تک نوبت آجاتی ہے۔ اس کی وجہ سے دوستی دشمنی میں بدل جاتی ہے۔ تلخ کلامی بد اخلاقی کی طرف لے جانے والا ایک راستہ ہے۔ اللہ پاک ہمیں تلخ کلامی سے محفوظ فرمائے اور اچھے انداز سے گفتگو کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سخت گوئی کی مٹ جائے خصلت
نرم گوئی کی پڑ جائے عادت
واسطہ خُلقِ محبوب کا ہے
یاخدا تجھ سے میری دُعا ہے

اٰمِین بِجَاہِ النَّبِیِّ الْاَمِین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم

(1) بخاری،1 / 15، حدیث:10 (2) بخاری،2 / 12، حدیث:2076 (3) تفسیر خزائن العرفان، ص762 (4) شرح زرقانی،6 / 42 (5) الشفاء،1 / 126

تحریری مقابلہ

اہم نوٹ: ان صفحات میں ماہنامہ خواتین کے 24ویں تحریری مقابلے میں موصول ہونے والے 211 مضامین کی تفصیل یہ ہے:

عنوان	تعداد	عنوان	تعداد	عنوان	تعداد
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہادری	151	تلخ کلامی	21	معمر وضعیف لوگوں کے 5 حقوق	39

مضمون بھیجنے والیوں کے نام: مضمون بھیجنے والیوں کے نام: اوکاڑہ: رینالہ خورد: بنت نواز۔ حضرو: بنت محمد ایوب۔ راولپنڈی ھدی للناس: بنت راجا واجد حسین۔ فیضانِ عطار: بنت شوکت، بنت محمد مسکین، بنت فیروز۔ سرگودھا: جوہر آباد: بنت محمد رمضان مدنیہ۔ سیالکوٹ: اگوکی: بنت ارشد، بنت الیاس۔ بن باجوہ: بنت یوسف مغل۔ پاکپورہ: بنت محمد معراج، بنت سید ابرار حسین، بنت میاں محمد یوسف قمر۔ تلواڑہ مغلاں: بنت محمد آصف، بنت محمد اسلام، بنت محمد شہزاد، بنت طارق، بنت ظفر اقبال، بنت فیصل، بنت منیر احمد، بنت ناصر محمود، بنت مظفر بیگ، بنت وسیم علی، بنت غلام عباس، بنت خرم، بنت شمس الدین، بنت عارف حسین، بنت محمد شکور، بنت جنید اشرف، بنت نصیر احمد، بنت مطیع الرحمان، بنت فیصل مجید، بنت محمد ارشد، بنت رزاق احمد، بنت عبدالوحید خان، بنت محمد ریاض، بنت محمد انور، بنت محمد جمیل، اخت الاحد، بنت محمد اسلم۔ شفیع کا بھٹہ: بنت محمد اصغر مغل، بنت افتخار احمد، بنت محمد اقبال، بنت محمد امین، بنت محمد عابد، بنت محمد جمیل، بنت ذوالفقار انور، بنت خالد حسن، بنت شبیر احمد، بنت خالد محمود، ہمشیرہ محمد منیب، بنت محمد نعیم، بنت محمد حبیب، بنت ارشد احمد اعوان، ہمشیرہ میر حمزہ، بنت ارشد، بنت شفاقت علی، ہمشیرہ دانیال، بنت محمد یوسف، بنت محمد اکرم، بنت محمد وسیم، ہمشیرہ حافظ زین علی، بنت طارق نذیر، بنت محمد سلیم، بنت یعقوب ملک، بنت غلام رسول، بنت عارف مغل، بنت محمد فاروق، بنت عبدالقادر، بنت آصف، بنت تنویر احمد، بنت اشفاق احمد، بنت جاوید اقبال، بنت محمد شفیق، بنت رزاق بٹ، بنت شہباز احمد، بنت محمد اشرف، بنت محمد اشفاق، بنت محمد اشفاق بھٹی، بنت ظہیر احمد، بنت محمد عرفان، ہمشیرہ بلال حبیب، بنت محمد عارف، بنت محمد یعقوب، بنت غلام مصطفی، بنت محمد انور، بنت محمد شمس، بنت محمد اسلم، بنت رضاء الحق باجوہ، ہمشیرہ محمد اسماعیل، بنت عثمان علی، بنت انتظار حسین، ہمشیرہ عبدالحمید، بنت محمد شریف، بنت نوید احمد، بنت ناہید، بنت محمد عتیق، بنت دلاور، بنت ساجد، بنت بابر، بنت محمد بوٹا، بنت فضل الٰہی، بنت صابر حسین، بنت اشرف، بنت عبدالرزاق، بنت محمد ارشد، ہمشیرہ حسنین، بنت اویس، بنت راشد، بنت شمس، بنت طارق محمود، بنت امجد پرویز، بنت خلیل احمد، بنت راشد محمود، بنت کاشف شیراز، ہمشیرہ محمد آصف، بنت عرفان، ہمشیرہ عبدالقدوس، بنت سعید، بنت عارف محمود، بنت امجد فاروق، بنت طارق، بنت محمد احسن، بنت طاہر، بنت خالد، بنت محمد جان، بنت جہانگیر، بنت محمد صفدر، بنت عبدالحمید، بنت محمد سجاد۔ گلبہار: ام فرح، ام ہانی، بنت طارق فاروق، اخت محمد احمد، بنت سجاد حسین، بنت صغیر احمد بھلی، بنت رمضان، بنت فیاض احمد، بنت محمد عنصر، کنیز عطار، بنت محمد ارشد، بنت محمود، ام الخیر، ام عبیس، اخت مزمل حسین، بنت رضوان، بنت طارق محمود، بنت محمد اسلم، بنت حیدر، بنت ظہور الٰہی، بنت محمد اشرف، بنت محمد شہباز، بنت شبیر حسین، بنت امیر حیدر۔ مظفر پورہ: بنت عابد حسین، بنت عاشق، بنت نصیر، بنت غلام میراں، بنت محمد نواز، بنت آصف محمود، بنت محمد شہباز، بنت امجد۔ ناصر روڈ: بنت محمد یونس۔ نندپور: بنت عبدالستار مدنیہ، بنت محمد عارف۔ فیصل آباد: جھمرہ سٹی: بنت اصغر علی، بنت اکبر علی، بنت شبیر حسین، بنت محمد اکرم، بنت محمد حنیف، بنت محمد شریف، بنت محمد فریاد، بنت محمد انور۔ منصور آباد: چیاں: بنت ارشد محمود، بنت عبدالغفور۔ علی ہاؤسنگ سوسائٹی: بنت محمد قاسم شاہ بخاری۔ قصور: بھٹہ گوریانوالہ: بنت محمد امین۔ کراچی: بنت محمد نعیم۔ اورنگی ٹاؤن: بنت معین الدین۔ دھوراجی: بنت شہزاد احمد، بنت محمد عدنان۔ فیضِ مدینہ: بنت محمد یوسف، بنت عبدالرشید مدنیہ، بنت محمد شاہد، بنت محمد فہیم کھتری۔ فیضانِ خدیجۃ الکبری: بنت عنایت علی۔ فیضانِ آمنہ: بنت رحمت علی۔ گلستانِ عطار: بنت افتخار، بنت الیاس، بنت سفیان، بنت عبدالغفور، بنت محمد اشرف، بنت جاوید۔ شمع مدینہ: بنت محمد اشفاق پولانی۔ گلشنِ رضا: بنت اخلاص یونس۔ گجر خان: غوث رضا: بنت اعظم۔ گجرات: لکرالی: بنت جمیل احمد، بنت محمد تقی۔ لالہ موسیٰ: فیضانِ عائشہ صدیقہ: بنت نذیر۔ لاہور: خوشبوئے عطار: بنت اصغر علی، بنت رضوان علی۔ ملتان: قادر پوراں: بنت محمد اسحاق۔ کوہی والا: بنت اللہ نور۔ ہند: حیدر آباد: بنت خواجہ معین الدین۔

معمر وضعیف لوگوں کے 5 حقوق

بنتِ اخلاص یونس قادری (درجہ: رابعہ، گلشنِ رضا محمود آباد، کراچی)

کہتے ہیں: بچپن بڑھاپے کا دورِ ثانی ہوتا ہے۔ چنانچہ جو لوگ کبھی بھاگ بھاگ کر ہماری فرمائشیں پوری کرتے تھے وہ بوڑھے ہو جائیں اور ہماری ذمہ داریاں اٹھانے والے خود ایک ذمہ داری بن جائیں تو اکثر ان کے حقوق کی ادائیگی میں ہم سے کوتاہی ہو جاتی ہے۔ ان کی خدمت کرنے والے بلاشبہ خوش نصیب ہوتے ہیں۔ کیونکہ بزرگوں کے فضل و شرف کا لحاظ رکھنا شعائرِ اسلام ہے اور ایک روایت میں بھی ہے: جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی تعظیم نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔[1] یعنی ہماری جماعت سے یا ہمارے طریقہ والوں سے یا ہمارے پیاروں سے نہیں یا ہم اس سے بیزار ہیں وہ ہمارے مقبول لوگوں میں سے نہیں، یہ مطلب نہیں کہ وہ ہماری اُمّت یا ہماری ملت سے نہیں، کیونکہ گناہ سے انسان کافر نہیں ہوتا۔[2]

اسلام نے دیگر افراد کی طرح معمر و ضعیف افراد کے جو حقوق بیان فرمائے ہیں، ان میں سے چند پیشِ خدمت ہیں:

(1) ان سے پیار و محبت سے بات کی جائے معمر وضعیف افراد عام طور پر چڑچڑاہٹ اور غصے کا شکار ہوتے ہیں، لہٰذا ان سے پیار و محبت سے بات کی جائے تو تھوڑی ہی دیر میں وہ ٹھنڈے ہو جائیں گے اور آپ کو پاس بلا کر شفقت بھی کریں گے۔

(2) ان کے احسانات کو ہمیشہ یاد رکھیے جو احسان وہ اپنے دور میں آپ پر کرتے رہے ہیں ان احسانات کو یاد رکھئے اور ہمیشہ یہ بات مدِّ نظر رکھتے ہوئے ان کے حقوق ادا کریں کہ کل یہ ہمارے مدد گار تھے آج ہم ان کی مدد گار بنیں گی۔

(3) ان کا خرچ باندھ دیا جائے خود دار انسان کبھی اپنی ضرورت کسی سے بیان نہیں کرتا، چنانچہ اپنے گھر کے بزرگ افراد کو ہر ماہ مناسب خرچ ضرور دیا جائے کہ یہ لوگ ساری زندگی دوسروں کی ضروریات پوری کرنے میں لگے رہے اور بڑھاپے کے لیے بھی کچھ بچا کر نہ رکھا، بھلے ان کی ضرورتیں وقت پر پوری کر دی جائیں مگر پھر بھی اگر ان کا خرچ باندھ دیا جائے تو انہیں دلی خوشی اور خود مختاری محسوس ہو گی اور ان کے دل سے آپ کے لئے دعائیں نکلیں گی کہ بزرگوں کی دعا میں بڑی تاثیر ہوتی ہے۔

(4) انہیں وقت دیا جائے گھر کے مرد جب کام پر نکل جاتے ہیں تو خواتین بھی گھریلو کام کاج میں مصروف ہو جاتی ہیں اور بچے بھی پڑھائی یا کھیل کود میں مگن ہو جاتے ہیں، مگر بزرگ افراد کے پاس مصروفیت کا کوئی بہانہ نہیں رہتا، بسا اوقات وہ دن رات بیتے وقت کی یاد میں کھوئے رہتے ہیں جس سے مزید بیمار و کمزور ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اپنی روز مرہ کی بھاگ دوڑ میں سے کچھ وقت ان کے لیے بھی ضرور نکالئے، اس وقت میں ان سے اچھی اچھی باتیں کیجئے، ان کا دل بہلائیے، ان سے ان کی زندگی کے تجربات جانئے اور جو نیک و جائز تمنائیں ان کے دل میں ہوتی ہیں ان کو پورا کیجئے۔

(5) ان کی صحت کا خصوصی خیال رکھئے بزرگ افراد صحت کا اچھی طرح خیال رکھتے ہیں نہ اپنے دکھ درد کسی سے شئیر کرتے ہیں، کسی نے دوا لا دی، کھلا دی تو ٹھیک ورنہ کسی سے کچھ نہیں کہتے اور اپنی زندگی کے باقی ایام کو بس خاموشی سے جئے جاتے ہیں۔ لہٰذا ان کی صحت کا خیال رکھئے، بیمار ہوں تو وقت پر دوائیں دیجئے، ان کی غذا پر بھی توجہ دیجئے، اگر انہیں کوئی تکلیف ہو تو فوراً کسی اچھے طبیب سے رابطہ کیجئے، ان کے پاس ہمیشہ ایک فرد کو رکھئے کہ بزرگ افراد کے چلتے پھرتے چکرا کر گرنے اور چوٹیں لگنے کے واقعات سامنے آتے ہی رہتے ہیں۔

ہمارے آس پاس موجود بزرگ افراد میں والدین، نانا نانی، دادا دادی، ساس سسر کوئی بھی ہو سکتے ہیں، اللہ پاک کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ان کے حقوق کا خیال رکھیں گی تو دنیا اور آخرت سنور جائیں گی۔ اللہ کریم ہمیں معمر و ضعیف افراد کے حقوق ادا کرنے کی سعادت نصیب فرمائے۔

اٰمین بِجاہِ النّبیِّ الاَمین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم

---

1 ترمذی، 3/369، حدیث: 1926

2 مراۃ المناجیح، 6/560

اسلامی بہنوں کی مدنی خبریں

شعبہ دعوتِ اسلامی کے شب و روز

راولپنڈی میں علاقائی دورہ برائے نیکی کی دعوت للبنات اور محفلِ نعت للبنات کی ذمہ داران کا لرننگ سیشن

4 مئی 2024 کو دعوتِ اسلامی کے تحت راولپنڈی میں شعبہ علاقائی دورہ برائے نیکی کی دعوت للبنات اور شعبہ محفلِ نعت للبنات کا 2 دن پر مشتمل رہائشی لرننگ سیشن ہوا۔ اس لرننگ سیشن میں شرکا کی تربیت کے لئے نگرانِ پاکستان مجلسِ مشاورت اسلامی بہن نے آن لائن سنتوں بھرا بیان کیا جس میں انہوں نے ”بلند ہمت مبلغ“ کے موضوع پر اسلامی بہنوں کی تربیت و رہنمائی کی۔ اس کے علاوہ نگرانِ پاکستان مجلسِ مشاورت نے اسلامی بہنوں کو دعوتِ اسلامی کے دینی کاموں میں اخلاص کے ساتھ شرکت کرنے کی ترغیب دلائی جس پر انہوں نے اچھی اچھی نیتیں کیں۔

پاکستان مشاورت اور پاکستان سطح کی شعبہ ذمہ داران کا ماہانہ مدنی مشورہ

دعوتِ اسلامی کے تحت 11 مئی 2024 کو پاکستان مشاورت اور پاکستان سطح کی شعبہ ذمہ دار اسلامی بہنوں کا آن لائن ماہانہ مدنی مشورہ ہوا۔ معلومات کے مطابق مدنی مشورے کی ابتدا میں نگرانِ پاکستان مجلسِ مشاورت اسلامی بہن نے بیان کیا اور عالمی مجلسِ مشاورت و انٹرنیشنل افیئرز کے مدنی مشورے میں طے ہونے والے مدنی پھولوں کے بارے میں کلام کیا۔ نگرانِ پاکستان مجلسِ مشاورت نے دینی کاموں میں شعبہ ذمہ دار اسلامی بہنوں کی عمدہ کارکردگی پر ان کی حوصلہ افزائی کی اور یکم جون 2024 سے مُلک بھر میں یوسی سطح پر زیادہ سے زیادہ مقامات پر مدنی قاعدہ کورس کروانے کی ترغیب دلائی۔

پاکستان بھر میں ماہِ رمضان المبارک میں 20 دن کے فیضانِ تلاوتِ قرآن کورس کا انعقاد

شعبہ قرآن ٹیچر ٹریننگ کے تحت اسلامی بہنوں کے لیے ملک و بیرونِ ملک یکم جون 2024 سے مدنی قاعدہ کورس کروایا جارہاہے۔ اس کورس میں درست تجوید و مخارج کے ساتھ مکمل مدنی قاعدہ، اذکارِ نماز، قرآنِ پاک کی مختصر سورتیں نیز نماز و طہارت کے ضروری مسائل کے ساتھ ساتھ اندازِ تدریس (Teaching skills) بھی سکھائی جائیں گی۔ کورس کا دورانیہ 30 دن کا ہوگا جبکہ کلاس روزانہ دو گھنٹے ہوگی۔ داخلے کی شرائط کے مطابق اسلامی بہن کی عمر کم از کم 15 سال ہو اور اردو پڑھنا لکھنا جانتی ہو۔ یہ کورس فی سبیل اللہ کروایا جائے گا۔ ایڈمیشن کے لئے شعبہ قرآن ٹیچر ٹریننگ کورس ذمہ دار سے رابطہ فرمائیں۔

مزید معلومات کے اس میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیے:

cours.madrasabaligat@dawateislami.net

اسلامی بہنوں کی مزید مدنی خبریں جاننے کے لئے
اس ویب سائٹ کا وزٹ کیجئے

news.dawateislami.net

دعوتِ اسلامی کے شب و روز

اسلامی بہنوں کے 8 دینی کاموں کا اجمالی جائزہ

نیکی کی دعوت کو عام کرنے کے جذبے کے تحت اسلامی بہنوں کے نومبر 2023 کے دینی کاموں کی کارکردگی

دینی کام		نیشنل	انٹرنیشنل	ٹوٹل
انفرادی کوشش کے ذریعے دینی ماحول سے وابستہ ہونے والی اسلامی بہنیں		300454	1065974	1366428
روزانہ گھر درس دینے / سننے والیاں		34854	103424	138278
مدرستہ المدینہ (بالغات)	مدارس المدینہ کی تعداد	4680	9255	13935
	پڑھنے والیاں	35022	95194	130216
ہفتہ وار سنتوں بھرے اجتماع	تعداد اجتماعات	5132	10833	15965
	شرکائے اجتماع	155401	418212	573613
ہفتہ وار مدنی مذاکرہ سننے والیاں		37365	118993	156358
ہفتہ وار علاقائی دورہ (شرکائے علاقائی دورہ)		12021	36432	48453
ہفتہ وار رسالہ پڑھنے / سننے والیاں		144334	819415	963749
وصول ہونے والے نیک اعمال کے رسائل		38340	92625	130965
مدنی کورسز	تعداد مدنی کورسز	103	421	524
	شرکائے مدنی کورسز	2073	6594	8667

27واں تحریری مقابلہ عنوانات برائے ستمبر 2024

1 حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اپنی ازواج سے محبت

2 فضول خرچی

3 ذو رحم رشتے داروں کے 5 حقوق

مضمون بھیجنے کی آخری تاریخ 20 جون 2024

مزید تفصیلات کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں صرف اسلامی بہنیں: +923486422931

فیضانِ صحابیات ملتان

فیضان صحابیات S بلاک، محمد پورہ نیو ملتان کی عمارت کا سنگِ بنیاد 2000 عیسوی میں رکھا گیا۔ خواتین کے اس مدنی مرکز کا باقاعدہ افتتاح 2010 میں دعوتِ اسلامی کی مرکزی مجلسِ شوریٰ کے رکن قاری محمد سلیم عطاری دامت برکاتہم العالیہ کے دستِ مبارک سے ہوا۔ فیضانِ صحابیات کی اس بلڈنگ کو ایک عاشقِ رسول نے خرید کر وقف کیا ہے۔ اللہ کریم انہیں ڈھیروں ڈھیر بھلائیاں نصیب فرمائے۔

آفسز کی تعداد

الحمدللہ فیضانِ صحابیات محمد پورہ نیو ملتان کی بلڈنگ میں 6 شعبہ جات کے آفسز قائم ہیں:

(1) فیضانِ صحابیات (2) شعبہ روحانی علاج (3) شعبہ ڈونیشن بکس (4) شعبہ مکتبۃ المدینہ (5) شعبہ غسلِ میت (6) تنظیمی نگران، ٹاؤن نگران، سٹی نگران اسلامی بہنوں کا آفس۔

فیضانِ صحابیات محمد پورہ نیو ملتان کی خصوصیات

- الحمدللہ فیضانِ صحابیات محمد پورہ نیو ملتان میں رہائشی کورسز، اسلامی بہنوں کے مدنی مشورے اور لرننگ سیشنز ہوتے ہیں، نیز وقتاً فوقتاً اہلِ علاقہ کی سہولت کے پیشِ نظر شارٹ کورسز بھی کروائے جاتے ہیں۔
- مکتبۃ المدینہ کی ایک شاپ بھی قائم ہے جہاں سے اسلامی بہنیں اپنی ضرورت کے مطابق دینی کتب و رسائل خرید فرماتی ہیں۔ یہ شاپ علاوہ جمعہ روزانہ صبح 10 سے شام 5 بجے تک کھلی رہتی ہے۔
- روحانی علاج کا بستہ بھی لگتا ہے جہاں پر مختلف مسائل کے حل کے لئے تعویزات، استخارہ اور کاٹ کی مفت سروس مہیا کی جاتی ہے۔
- شعبہ غُسل میت کے تحت مختلف مقامات پر خواتین کو غسلِ میت دینے کی سہولت کے ساتھ ساتھ ذمہ داران اسلامی بہنوں کو غسلِ میت دینے کا طریقہ بھی سکھایا جاتا ہے۔
- اس کے علاوہ گراؤنڈ فلور پر مدرستہ المدینہ گرلز کی برانچ بھی قائم ہے جس میں کم و بیش 100 کے قریب بچیاں حفظ و ناظرہ کی تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔

ib.darulsunnahpak@dawateislami.com